مذہب اسلام کا خلاصہ

اسلام کیا ہے ؟ خدا کی رضامندی کی ایک زبردست دستاویز۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لیے غیر فانی دستورالعمل - غور فرمایئے !

اس کے بعد آپ کیا چاہتے ہیں ؟ کیا آپکا مطلب یہ ہے کہ خدا کی زمین پر آپ کی عقل کا بنایا ہوا - یا آپ کے پسند کے موافق قانون نافذ ہو ؟ تو کیا آپ کے نزدیک ایک انسانی دماغ تمام عالم کی مختلف ضروریات کا احاطہ کر بھی سکتا ہے یا پورے طور پر ان کا ادراک بھی کر سکتا ہے ؟ اور اگر اس ناممکن مرحلہ سے گزر بھی جائے تو کیا ان ضروریات کے احساس کے بعد ان کیلئے مناسب آئین وضع بھی کر سکتا ہے ؟ اور اگر یہ مشکل بھی آسان ہو جائے تو اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ تمام عالم اس پر متفق بھی ہو سکتا ہے تو اگر درحقیقت ان سب مشکلات کا حل ہی مشکل ہے تو مذہب سازی کی دردسری اٹھانے کی کیا ضرورت ہے ، آپ اسی مذہب کو کیوں قبول نہیں کر لیتے۔ جسے قدرت کے رمز شناس ہاتھ نے تمام مزاجوں اور ضرورتوں کو سامنے رکھ کر بنایا ہے۔ جس میں گذشتہ مذاہب کے محاسن خود چن چن کر اٹھا لیئے گئے ہیں، پھر اس مجموعہ میں اور بہت سے محاسن شامل کر کے اس کو بہت مکمل اور انتہا دلپذیر صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا ہے جسکی تفصیل آگے آ رہی ہے - اب اگر اس کے بعد بھی آپکے تلاش مذہب کی تشنگی نہیں بجھی تو یقین کیجئے کہ آئندہ قیامت تک بجھنے کی بھی نہیں ۞

۷۸۶

سب کی متاع مشترک

○ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کی سب نعمتیں ساری دنیا کے لئے ہیں۔ اسی طرح اسلام بھی سب کے لیے ہے، اور تمام مشکلات کا حل اسی میں رکھا گیا ہے۔

○ اسلام اس نظامِ زندگی کے مجموعے کا نام ہے جو خدائے برتر و بزرگ کی طرف سے تمام اہلِ دنیا کو دیا گیا ہے۔

○ یہ تمام کی مشترک متاع ہے، کسی خاص قوم یا فرقہ کی خصوصی چیز نہیں یہ عالمی اور دائمی ہے، زمانی اور مکانی نہیں،

○ جو شخص مذہبًا اسلام کو اختیار کرے گا دونوں جہانوں میں کامیاب رہے گا اور جو صرف نظامًا اختیار کرے گا۔ دنیا میں راحت یاب رہے گا۔

○ معلوم ہو رہا ہے کہ اب اہلِ دنیا کو طوعًا یا کرہًا اسلامی اصولوں کے اختیار کرنے سے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

○ ان سبھی باتوں اور حقیقتوں کو۔ اس مجموعہ میں علمی و عقلی اور مسلمہ معیار سے ثابت کیا گیا ہے۔

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے۔
مشرق و مغرب میں تیرے دَور کا آغاز ہے
رنگ گردوں ذرا دیکھ تو رعنائی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

• غیر مسلم برادران کو لفظ اسلام سے گھبرانا اور بدکنا نہیں چاہیئے؛ بلکہ آزادیٔ فکر اور صاف دِل سے اس کا مطالعہ کرنا اور صحیح معیار پہ پرکھنا چاہیئے؟

ع: دولت این است و غیر این ہمہ ہیچ =

★

فہرست

مضامین	صفحات نمبر
مقدمہ- مذہب اور موجودہ سیاست	۱
مذہبی نظام ناگزیر ہے۔	۳
خدا اور مذہب سے بیزاری کے اسباب	۷
عود الی الاولیٰ	۱۰
تباہ کن عصبیت	۱۲
اراکین اقوام متحدہ کو دعوتِ غور و فکر	۱۴
اسلام کی حقانیت کا زبردست ثبوت	۲۳
ہر مکتب فکر کو چیلنج	//
باغی ناتوانی شد - فرمان پذیراں شو	۲۶
تمہید	۲۹
مشکلات کیوں کر پیدا ہوتی ہیں؟	۳۱
عقل سلیم اور مذہب آسمانی کا فیصلہ	۳۲
سرتابی کرنیوالی قوموں کے عبرت انگیز واقعات	۳۴
خرد باختہ فلسفیوں کی تغلیط	۳۵

امن وسلامتی کے آفتاب کا طلوع ۳۹
عالمگیر اصلاحی تحریک کا آغاز ۴۰
اسلام میں عمر فاروق رضؓ کا مقام ۴۲
اسلام دنیا میں کیونکر پھیلا ۴۳
اسلام کی منزل مقصود ۴۸
مسئلہ تقدیر ۵۱
عالمی انتخابات کا دور ثانی ۵۴
جملہ معترضہ ۵۹
سائنس کے غلط استعمال کا انجام ۶۶
شجر خبیث کی پیدائش ۶۸
اہل مغرب کی اس شجر سے بیزاری ۷۱
مذہب کی تلاش ۷۲
امرت رس ۷۳
دنیا کے بڑے لوگوں کو پیش کش ۷۴
انسانی تمنا ئیں ۷۸
مذہب داخل فطرت انسانی ہے ۷۹
انسانیت کا بھلا چاہنے والے بڑے لوگوں کا منصب ۸۰
یہ سوچنے کی بات ہے اسے خوب سوچیے ۸۱
پیغام قرآن پیشوایان مذاہب کے نام ۸۴
مذہب اسلام میں انسان کا مرتبہ ومقام ۹۸
وحدت انسانیت ۱۱۴
اقوام متحدہ کو عالمی نظام حیات کی پیش کش ۱۱۸
غیر مسلم برادران کی خدمت میں گذارش ۱۲۱

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا	۱۲۵
مسلمانوں کی خدمت میں	۱۲۷
اسلام اجنبی مذہب نہیں	۱۲۸
اسلامی تہذیب	۱۳۳
فنون لطیفہ اور اسلام	۱۳۶
شاندار مستقبل میں یقین	۱۳۸
تقدیر پرستی کا الزام	۱۳۹
اوامر و نواہی	۱۴۸
اسلام اور مسلمان	۱۵۳
اسلام کا نصب العین اور اس کا مسلک	۱۵۶
ایمان باللہ اور انسانی دوستی	۱۵۷
جہاد فی سبیل اللہ	۱۵۹
مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں سے	۱۶۶
تمہید قرآن حکیم	۱۶۷
عقل اور قرآن	۱۶۹
چیلنج قرآن تمام قوموں کے نام	۱۷۰
معجزے کی حقیقت	۱۷۶
قرآن حکیم خدا تعالیٰ ہی کا کلام ہے	۱۷۷
حیرت افزا چیلنج جس کا اب تک جواب نہیں دیا جا سکا دیا بھی نہیں جا سکے گا	۱۸۵
بیرونی شہادت	۱۹۱
ایک غلط فہمی	۱۹۲
غیر مسلموں کے تاثرات	۱۹۴

ایک اور عیسائی کا اعتراف — ۱۹۵
قرآن حکیم غیر مسلموں کی نظر میں — ۱۹۸
قرآن حکیم کے خارجی ثمرات — ۲۰۰
رب عالم محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم — ۲۰۹
حضورؐ کی مختصر زندگی — ۲۱۴
حضورؐ کا انقلابی اور فکری پروگرام — ۲۱۵
رسول اکرمؐ کی سیرت کا مطالعہ کس لئے کیا جائے؟ — ۲۱۷
غیر مسلموں کے لئے؟ — ۲۲۰
ہر کس کے لئے؟ — ۲۲۲
بعثت کے وقت چند عالمگیر گتھیوں کا اسلامی حل — ۲۳۰
حرف آخر] عالمی مشکلات کا خلاصہ — ۲۳۲
اسلام کا نظام زندگی — ۲۳۳
مقصد زندگی — ″
اقوام متحدہ سے خصوصی خطاب — ۲۳۴
بہت بڑی اور فاش غلطی — ۲۳۶
مشیت الہٰی کا ظہور — ۲۴۰
خلاصہ مقصود — ۲۴۲
محسن اعظم سے دنیا کی روگردانی — ۲۴۶
اسلام کیا ہے؟ — ۲۴۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب اور موجودہ سیاست

مذہب نے وحدتِ انسانیت کی بنا پر انسانوں کے درمیان مساوات اور اخوت کا تصوّر تصوّرِ وحدت کی جگہ کیا تھا لیکن موجودہ سیاست نے اس کو پارہ پارہ کر دیا؟ نیشنلزم۔ جغرافیائی حدود۔ محدود وطن پرستی، قبائلیت، صوبائیت، نسل پرستی، ذات پات، رنگ اور زبان کے تصورات ان میں ہر ایک تصوّر وہ ہے جو وحدتِ انسانی کے حق میں سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس سیاست ہی نے انسانوں کو بیشمار متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور اس نے وہ چیز چھین لی ہے جو ان کو مذہب کے آستانہ سے ملی تھی۔ مذہب نے امتیاز و تفریق کی تمام دیواروں کو ڈھاکر انسانیت کا ایک وسیع میدان دیا تھا۔ مگر سیاست نے جارحانہ قوم پرستی، اور وطن پرستی وغیرہ کی بے شمار دیواریں کھڑی کر دیں۔ اور اس بنیاد کو مسمار کر کے جس کو مذہب نے دونوں ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا۔ دنیا کی قوموں کو ایک دوسرے سے خوب لڑایا۔ مذہب کا تو ایک ہی فیصلہ ہے کہ:۔

اَنَّ عِبَادَكَ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ خدا کے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں

اور اس کی بنیادی تعلیم بھی ایک ہی ہے کہ :-

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ - بحیثیت انسان تمام انسان قابلِ احترام ہیں

بہرحال آج دنیا کو انسانی وحدت کی ضرورت ہے۔ اور اس وحدت کے لئے مذہب کا تصوّر ناگزیر ہے۔ اور جب مذہب کے تصوّر سے انسانی وحدت کا تصوّر قائم ہو جائے گا۔ تو تمام بھائی بھائی بن جائیں گے۔

اب جبکہ بھائی چارہ کا تصوّر ہی انسانی وحدت پر مبنی ہے۔ اور اسی کا لازمی نتیجہ آفاقی امن ہے۔ تو منطقی طور پر اس کا بھی یقین کرنا پڑے گا۔ کہ دنیا کی ساری قومیں جو امن وسلامتی کی خواہش مند ہیں اور عالم گیر تباہی سے بچنا چاہتی ہیں۔ ان سب کو دامنِ عافیت میں پناہ لینی ہو گی۔ اور ایک ایسا مذہب تلاش کرنا پڑے گا جس کی تعلیمات آفاقی امن اور عالمگیر اخوّت پر مبنی ہوں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم صرف ایک بنیادی کام کو ہاتھ میں لیں اور انسانوں کو انسانی وحدت اور بھائی چارہ کا یقین دلائیں۔ اور دنیا کے بڑے اگر واقعی امن وسلامتی کے طالب ہیں تو فراخدلی سے اسلام کے پیش کردہ نظامِ حیات کو قبول کر لیں گے۔ خواہ اس کو مذہبًا تسلیم کریں یا صرف بہترین نظامِ حیات ہونے کے اعتبار سے ہی۔

مذہبی نظام بگڑ رہے ہے

باغیانِ خدا اور منکرینِ مذہب نے دنیا کو کیا دیا اور کیا کھویا؟ اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

اس زمین کی سطح پر اور اس آسمانی چھت کے نیچے کوئی بھی باشعور فرد ایسا نہیں ہو سکتا جو اپنے دل میں خدائی تصور و خیال نہ رکھتا ہو۔ اگرچہ اس تصور و خیال کے تعبیر کرنے کے ذرائع اس کو معلوم بھی نہ ہوں۔ مگر ایسا تصور پھر بھی اس کے دل میں ضرور قائم رہتا ہے۔ اس کو کوئی طاقت فنا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ انسان اپنے تحت اور مافوق اور دائیں بائیں بے شمار ایسے عناصر کو محسوس اور معلوم کر لیتا ہے جس کے وجود میں لانے اور بنانے والا مخلوقات میں سے کوئی اس کو معلوم نہیں ہوتا۔ پس لامحالہ وہ ایسی قادر و توانا ذاتِ مطلق کا تصور و خیال اپنے دل میں مرکوز کر لیتا ہے۔ جو کائنات کو وجود میں لائی ہے۔

ابو البشر آدم علیہ السلام کی ابتدائی اولاد میں اس ہستی کو اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور اس نام کی قربانیاں کی جاتی تھیں۔ ہابیل و قابیل کا واقعہ اس کی تصدیق کر رہا ہے۔ غور و فکر اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ سے کچھ مدت تک انسان اپنی اسی فطرت سادہ پر رہا اور خدا تعالےٰ کو آدم علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق جانتا رہا۔ پھر بعد کے زمانوں میں خدا کی تلاش اور اس کے تصور میں غلطیاں شروع ہوئیں۔ تو عقیدہ خدا پرستی میں شرک،

شروع ہو گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ:۔

كان الناس أمة واحدة۔ تمام انسان ایک ہی اُمت تھے

یعنے وحدتِ انسانیت اور وحدتِ دین پر تھے۔ پھر وہ اس معاملہ میں مختلف ہو گئے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ۔ پس اللہ نے مبشرین اور منذرین کو بھیجا

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ۔ اور ان پر کتابیں نازل کیں۔

انہی حالات میں جب آدمؑ کی اولاد تعداد میں بڑھتی گئی اور زمین کے مختلف گوشوں میں آباد ہوتی گئی۔ تو انہوں نے زمین کے مختلف خطوں میں اپنے قلبی اور ذہنی تصورِ خدا کو مختلف محسوس اشکال کی صورتوں میں خدا کا مظہر یا محل تجویز کر کے اس کی پرستش شروع کر دی۔ اور اللہ تعالےٰ بھی ان کی ہدایت اور رہنمائی علیحدہ علیحدہ قوموں اور گروہوں میں مبشرین و منذرین کو بھیجتا رہا۔

لَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا۔ ہم نے ہر ایک قوم میں رسول بھیجا۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ اور ہر ایک قوم کے لئے رہنما مقرر کیا۔

پھر وہ زمانہ آیا کہ قوموں اور گروہوں کے باہم میل ملاپ کے ذرائع پیدا ہوئے تو اللہ تعالےٰ نے سب قوموں اور گروہوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ایک ہی بشیر و نذیر یعنے نبی عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

مبعوث فرمادیا۔

یہ جو بیان کیا گیا ہے، اس پر واقعات اور تاریخ شاہد ہیں۔ اور وہ تاریخ شاہد ہے جو کسی منفرد مؤرخ کی تاریخ بالرائے نہیں ہے بلکہ سرا سر واقعات حادثہ پر مشتمل ہے۔

دنیا مسلسل و متعاقب انقلابات و تجربات سے گذرتی ہوئی اس حد تک پہنچی ہے جہاں اس وقت سب کھڑے ہیں۔ غور و فکر سے ان باتوں کو سمجھنا چاہیے کہ کن اصول و نظریات کے اختیار کرنے سے دنیا والے ناکام رہے اور کن اصول و نظریات پر چلنے سے سرخ رو ہوئے۔ زمانہ گواہ ہے اور واقعاتِ عالم شہادت دے رہے ہیں۔ کہ دنیا کی اس طول مدت میں جہاں جہاں اور جس جس زمانہ میں دنیا میں امن و سلامتی، اور انسانوں میں باہم محبت و اخوت اور ایک دوسرے کا احترام رہا اور حقوق کی ادائیگی میں کوشش ہوتی رہی۔ وہی زمانے انسانوں کے لئے امن و راحت کے زمانے نظر آ رہے ہیں۔ اگر غور و فکر سے تاریخ کی چھان بین کی جائے، تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ خدا پرستی اور مذاہب کی پابندی کے زمانے ہیں۔ اگرچہ ان میں خدا پرستی اور مذہب کے بارہ میں بہت کچھ افراط و تفریط کرتی رہی۔ مذہب کے اصول و مسائل کو بدلا اور مسخ بھی کیا لیکن پھر بھی وہاں مشترک طور پر لوگوں میں نیکی بدی کی شناخت، شرم و حیا کی پابندی، عزت و ذلت کا احساس، عصمت و ناموس کا تحفظ، صدق و دیانت

اور امانت داری کی محبوبیت کی قدر افزائی رہی۔ اور کذب و بددیانتی کی مذمت اور بے ایمانی سے نفرت قائم رہی۔ یعنے لوگوں کی عزتیں اور اخلاقی قدریں محفوظ تھیں۔ زنا کاری اور بدکاری کو ہر ایک مذہب میں شدید ترین جرم قرار دیا جاتا رہا شراب اور سود اور قمار بازی کو ممنوع اور بُرا ہی سمجھا جاتا رہا۔ یہ میں اپنی طرف سے پیش نہیں کر رہا۔ ان مختلف مذاہب کی کتابیں اور حکومتوں کی تعزیرات کے مطالعے سے یہ سب باتیں ثابت ہوتی ہیں سو ویسے تو ان مذہبی زمانوں میں بھی انفرادی اور نجی طور پر بداخلاق و بدکردار لوگ پائے جاتے رہے ہیں۔ مگر معاشرے میں بُرے اور مجرم ہی شمار ہوتے رہے ہیں۔

لیکن جس عہد سے خدا کا انکار یا بغاوت اور ترک مذہب کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اسی عہد سے اچھائی اور بُرائی کا فرق و امتیاز اُٹھتا چلا آرہا ہے۔ مذہبی اخلاق اور انسانی اقدار مفقود ہوتے چلے آرہے ہیں، خواہشاتِ نفسانی کے تقاضے ہر وقت جوان ہیں، بُرائیوں کا درخت سدا بہار ہے، مذہب سے بیزاری اور خدا سے بغاوت دنیا کے عوام سے اکثر کا مذہب بن رہی ہے، اس کی عبادت گاہیں دوسری عبادت گاہوں کے ملبے پر تعمیر ہو رہی ہیں، اس وقت سب سے بڑا بُت انسان کا پیٹ اور اس کی نفسانی خواہشات ہیں۔

حیرت بر حیرت یہ ہے کہ اس وقت کی حکومتیں خود ان بُرائیوں کی پُشت و پناہ ہیں۔

خدا اور مذہب سے بیزاری کے اسباب

اس داستان کو قدرے تفصیل سے دوسری جگہ بیان کر دیا گیا ہے یہاں مختصراً چند باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ قصہ یہ ہے کہ یہ عبرت انگیز تبدیلی یورپ کے مذہبی پیشواؤں کے خود ساختہ مذہب اور ان کے حریت پسندوں کے جذبات مخالفت کی بنا پر قرون وسطیٰ سے پیدا ہوئی۔ اور مذہب سے بیزاری کا سبب مذہب اور سائنس کی کشمکش ہے جس نے فلسفہ اور دہریت کی بنیاد رکھی۔ پھر اس کے بطن سے مسئلہ ارتقاء پیدا ہوا۔ اور اس کے غلط تجزیہ اور استعمال سے حریت پسندوں نے تکوینی اور تخلیقی امور میں عناد انگیز جذبات کی وجہ سے مذہب کے خلاف متبادل غلط نظریے اور اصول وضع کئے۔ پھر انہی پر اپنے نظام اور تہذیب کو قائم کیا۔

پس موجودہ تہذیب اور اس کا نظام انہی نظریات اور اصول پر مبنی چلے آرہے ہیں۔ اس نے انسانی فضائل اور اس کی قدروں کو فنا کر دیا ہے۔ یہاں تک اب انہی قوموں میں (جن کے بڑے لوگوں نے اس نظام اور تہذیب کو پیدا کیا تھا) مذہبی رجحان ترقی کر رہا ہے۔ اور اس مصنوعی نظام و تہذیب سے تنگ آکر مذہب کو پکار رہی ہیں اور زور دار دلائل سے ثابت کیا جا رہا ہے کہ راحت اور سکون کا سرچشمہ خدا کے ساتھ عقیدت اور اسی کی بتائی ہوئی ہدایات زندگی پر عمل کرنا ہے۔

بہر حال جس غیر اخلاقی نظام اور مادی تہذیب کے لئے مذہب کو دور
یا نس کہا تھا اب وہی نظام و تہذیب ان کو مذہب کے تلاش اور اس کے
اختیار کرنے پر آمادہ کر رہا ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مذہب انسان کے لئے فطرتی چیز ہے اس کو
فنا نہیں کیا جا سکتا اور نہ بدلا جا سکتا ہے۔ مذہب کی ضد اور مخالفت کو
انسانی طبیعت قبول نہیں کر سکتی۔ قرآن میں ہے :-

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا — اللہ کی فطرت جس پر لوگوں کو پیدا کیا

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ — اللہ کی پیدائش کو بدلنا نہیں

ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ — یہ ہے دین محکم

اور دین سے مراد دین اسلام ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ — اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہی ہے

اس دین کو محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت پر کمال۔ رفعت اور دوام
کے ساتھ مخصوص و ممتاز کر دیا گیا ہے۔ یعنے اس کو رفعت و کمال اور
دوام جیسی خصوصیات سے متصف کیا گیا ہے پس پہلی دو خصوصیتیں اس
بات کی مقتضی ہیں کہ اس کے مبادی و نظریات اور اس کے اصول انسانوں
کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی سعادت و فلاح کے لئے کافی و وافی ہیں۔

اور دوام کی خصوصیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے اصول و نظریات دائمی اور سرمدی ہیں۔ یعنی موقتی نہیں۔ جو حالات و ظروف اور زمانے کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہوں۔ کیونکہ یہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ اور اس کے ترجمان ہیں۔ جیسا کہ فطرت غیر متغیر اور غیر متبدل ہے ویسے ہی یہ بھی غیر متبدل اور غیر تغیر پذیر ہیں۔ اس کی تائید باری تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے :-

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ الخ۔ اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی دوسرا تلاش دین کریگا وہ ہرگز قبول نہیں ہوگا۔

اس لئے کہ جس چیز کے قابل اس کو پیدا کیا ہے وہ اس کو چھوڑ کر دوسری چیز اختیار کر رہا ہے جو سراسر اس کو خسران کی طرف لے جائیگی اور اس کی فطرت اس کو قبول نہیں کرے گی۔ نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔ ہر پیدا ہونے والا فطرت صحیح پر پیدا ہوتا ہے۔ فطرت صحیح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جس خاص طرز عمل کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے اس کو اختیار کرنے کی صلاحیت ان کے اندر فطرتاً رکھدی ہے۔ انسان کا ڈھانچہ سانچہ اس ڈھنگ سے بنایا گیا ہے کہ اس میں صرف خدا کا دین ہی ٹھیک ٹھیک بیٹھ سکتا ہے۔

دوسری کوئی چیز بٹھانے کی کوشش کی جائے۔ تو وہ ایسا ہی ہوگا۔ جیسے گول خانہ میں چوکھنٹی چیز۔ اگر ہم رسولِ خدا صلعم کے اس قول پر یقین رکھتے ہیں تو ہمارے لئے یہ سوچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کسی مخصوص جغرافیائی خطہ میں بسنے والی قوم کا ذہن ہماری تحریک سے ہم آہنگ ہے یا نہیں ہمارا تو ایمان ہونا چاہیئے کہ قطب شمالی سے لے کر قطب جنوبی تک زمین کی سطح پر چلنے والے زمانہ ماضی کے ہوں یا حال کے یا جو آیندہ پیدا ہوں گے، ان سب کی ذہنی ساخت سب سے زیادہ جس چیز کی قبولیت کے لئے موزوں ہے وہ اسلام ہے۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ساری دنیا اسلام کو قبول کیوں نہیں کر لیتی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دینِ فطرت ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کے اندر مقناطیسی کشش ہے کہ جس کی محض موجودگی سے تمام لوگ اس کی طرف کھنچ آئیں۔ کوئی چیز کسی کے لئے خواہ کتنی ہی قابلِ قبول ہو، مگر جب وہ اس کے سامنے لائی جائے گی، جب ہی تو وہ اس کو قبول کر سکتا ہے۔

عود الی الاوّل

یہ بات ہو رہی تھی کہ جس فلسفہ اور تہذیب نے اہلِ یورپ کو خدا اور مذہب سے بیزار کیا تھا اب وہی فلسفہ اور تہذیب ان کو پھر مذہب کی طرف لا رہی ہے۔ اور وہ مذہب کے لئے بے چین ہیں۔ لیکن ان کا اپنا مذہب ایسا نہیں ہے

جوانسانی زندگی کے تمام شعبوں کو پورا کرسکتا ہو اور ان کی تمناؤں کو بر لاسکتا ہو۔ پس یہ مذہب کو انسان کا نجی معاملہ قرار دے کر اس کو سیاست اور نظام حکومت سے علحدہ سمجھتے ہیں۔

(پہلے بیان ہوچکا ہے جو سیاست مذہب سے خالی ہوگی، وہ مشکلات کو حل نہیں کرسکتی۔ بلکہ زیادہ مشکلات پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ جب تک دیانت و راست بازی کے ساتھ قلوب میں اخلاص اور مظلوموں کی حقیقی ہمدردی نہ ہوگی مشترکہ جماعتیں بے غرضی سے کام نہیں کرسکتیں۔ اور یہ ہمدردی بغیر خدا پرستی اور نظام مذہبی کی تکمیل کے ممکن نہیں ہے۔)

ظاہر ہے کہ خدا پرستی اور عدل کا قیام صرف عبادت گاہوں کی صف بندی میں مطلوب نہیں۔ بلکہ زندگی کے سارے معاملات کو ناہمواریوں سے ہٹاکر راستی و یکسانی پر قائم کردینا مذہب آسمانی کا نصب العین ہے۔

یہ بات سمجھ میں آہی نہیں سکتی کہ زندگی کے کسی ایک یا چند شعبوں کو دوسرے شعبوں سے الگ کرکے ان میں نظام عدل قائم کیا جاسکتا ہے۔ چاہے دوسرے شعبوں میں کیسے ہی مظالم کارفرما رہیں (زندگی کے ایک شعبہ کا بگاڑ دوسرے تمام شعبوں کو مریض بنادیتا ہے۔ پس جس طرح کسی جسم میں کوئی حد بندی کرکے ایک طرف بیماری کی حالت برقرار رکھتے ہوئے دوسرے حصے میں صحت قائم کردینا ممکن نہیں اسی طرح اجتماعی زندگی کے بعض شعبوں میں فساد

اور ناہمواریوں کو قائم رکھ کر بعض شعبوں میں قیام قسط کا پروگرام عمل میں نہیں لایا جا سکتا۔

واضح ہو کہ اسلام زندگی کے پورے مسائل میں مداخلت کرنے کا پروگرام لے کر آیا ہے۔ اسلام جس طرح خدا اور بندے کے تعلقات میں عدل چاہتا ہے اسی طرح والدین اور اولاد، شوہر اور بیوی، حاکم اور محکوم، سرمایہ دار اور مزدور، زمیندار اور مزارع، تاجر اور گاہک کے تعلقات میں بھی راستی اور انصاف کی روح کو جاری اور ساری کرنا چاہتا ہے بلکہ ایک جامع نظام عدل برپا کرنے کے لئے آیا ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرون وسطیٰ میں یورپ کے حریت پسندوں نے جو اپنے مذہب کی تنگیوں سے تنگ آکر مذہب سے بیزار ہوئے تھے۔ انہوں نے مزید غلطی بھی کی کہ دوسرے اہل مذاہب کو بھی اپنے اپنے مذاہب کے ترک اور ان سے بیزاری کی تعلیم و ترغیب دیتے رہے۔

تباہ کن عصبیت

وہ یورپ جس کو مسلمانوں نے ہی انسانیت کا سبق دیا اور نور کی مشعل دکھائی اس یورپ کے متعصب پیشواؤں اور پاپاؤں نے اٹھارہویں صدی عیسوی تک اپنے اہل یورپ کو اسلام کی حقیقت اور اصلیت کے سمجھنے سے اندھیرے میں رکھا۔ اور اپنے مذہب کی تخریب اور قوم کی تباہی منظور کرلی۔

گر اسلام کی طرف (جو ایک عالمی و دائمی اور بین الاقوامی مذہب ہے) اپنے
حریت پسندوں کو رجوع ہونے کی ہدایت نہ کی تاکہ وہ الحاد و دہریت کا شکار
نہ ہوتے، اور اسلام جیسے ہمہ گیر مذہب کو (جو معاشرت و سیاست سے لیکر
عبادت تک جماعت گیری کا رنگ لئے ہوئے تھا اور جس نے دنیا کی سیاست
میں عالمگیری کے اصول لئے ہوئے تھے اور جس نے یورپ کو گھپ اندھیر
میں خود مشعل دکھائی جس کے ذریعہ وہ اب تک جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔
جیسا کہ یورپ کو بھی خود اس کا اعتراف ہے اور جس نے یہ ثابت کر دکھایا ہے
کہ (مذہب اور سائنس ایک دوسرے کے حریف نہیں) بلکہ حلیف ہیں، انفرادیت
کے مذاہب پر قیاس کر کے نظر انداز نہ کرتے بلکہ بلا تعصب اس کو قبول کر لیتے اور
اسلام جیسے عالمگیر مذہب کے تسلیم کرنے پر ان کی تحریک مائل نہ ہوتی کیونکہ
جو دین اپنے عالمگیر ہونے کا دعویٰ رکھتا ہو اسے ایسی ہی تعلیمات کا مجموعہ بن کر
آنا چاہئے تھا جس میں تمام عالم کے لئے جاذبیت موجود ہو اور وہ ایسا دین
ہو جو کسی بھی زمانہ میں کسی صداقت اور حقیقت کے خلاف نہ کہے اور اس پر عمل
کرنے والے کی تغلیط نہ کرتا ہو۔ پس ایسا دین اور مذہب جو پچھلے چودہ سو سال
سے دنیا میں چلا آ رہا ہے وہ صرف اسلام ہی ہے۔

چونکہ ہمارا موضوع یہاں مختلف مذاہب اور متفرق نظریات سے بحث
کرنا اور تقابلاً ترجیح پیش کرنا نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو ہم [illegible] کا اس کہم

کی بحثیں ہی گروہوں کے درمیان بُعد و نفرت پیدا کرتی رہی ہیں اور تعصبات کو بھڑکاتی ہیں۔

ہم اپنے مُدعا بلکہ ساری انسانیت کے لئے مفید اور بہترین چیز کو باری تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق ساری دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔

بلا اپنے رب کے راستہ کی طرف عقلمندی اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے عمدہ طریقہ سے مباحثہ کر۔

(جو لوگ اپنے مُدعا کو تقابلی شکل میں پیش کرکے دوسروں پر اٹیک کرتے ہیں یا الزام سے نیچا دکھاتے ہیں، ایسے لوگ اپنے دعویٰ کو منوا نہیں سکتے بلکہ درمیان میں غور و رکاوٹیں پیدا کر لیتے ہیں اور مزید تعصب اور ضدیت کو ہوا دیتے ہیں۔ ضد اور تعصب ہی ایسی بُری چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے حق و صداقت سے بھی انسان انکار کر جاتا ہے، اور استدلال کے اس طریقہ سے کوئی چیز بھی جنس دلائل سے اس کی رہنمائی نہیں کر سکتی)

اراکین اقوام متحدہ کو دعوت غور و فکر

محترم اراکین اقوام متحدہ! جب کہ آپ موجودہ مشکلات کا حل چاہتے ہیں تو غیر جانبدار مفکرین کی حیثیت سے آپ حضرات اسلام و قرآن اور محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیمات اور ان کے پیش کردہ مسالک اور پروگراموں کا غور و فکر سے

مطالعہ فرمائیں۔ یہاں سے آپ کی ہر مشکل آسانی سے حل ہوتی ہوئی نظر آئیگی، اور ہر عقدہ وا ہوگا۔

اس وقت آپ کا ادارہ ہی ایک ایسا ادارہ ہے جس کے اصلاح یاب ہونے سے ساری دُنیا اصلاح یاب ہو سکتی ہے۔ اس ادارہ میں بقدر بہ دُنیا کے نمائندے شامل ہیں۔ اس ادارہ کو علمی و عقلی و تجرباتی اور تاریخی دنیا کا خلاصہ اور مرکز کہا جا سکتا ہے۔ اس دور تک دُنیا نے جس قسم کی ترقیات حاصل کیں اور تجربات معلوم کئے، ان سب چیزوں کو یہ ادارہ جمع کئے ہوئے ہے۔ گویا یہ ادارہ اس وقت ساری دنیا کا دل اور دماغ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ادارہ کی طرف سے ایسے ایسے نظریات اور اصول پیش کئے جا رہے ہیں

جو پہلے نظریات اور اصول سے بہت فائق اور وسیع ہیں

پہلی قومیں اور حکومتیں جو صرف اپنے اپنے لیے جزوی طور پر سوچا کرتی تھیں اب یہ ادارہ ساری قوموں اور حکومتوں کے لیئے سوچ رہا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ اب دنیا ایک مرکز میں اکٹھا ہونا اور نظام واحد میں سمٹنا چاہ رہی ہے۔ اور وحدتِ انسانیت کو اساس قرار دینا چاہ رہی ہے۔ کیونکہ اس ادارہ کی طرف سے بین الاقوامی مقاصد اور عالم گیر تصورات اور مشترک اصول کی تشہیر ہو رہی ہے۔ یعنے وحدتِ انسانیت، انسانی اخوت، انسانی مساوات، انسانی ہمدردی، انسانی آزادی، انسانی حقوق، بین الاقوامی قانون، عالمی سیاست،

بین الاقوامی ادارت، انسانی دوستی، بین الاقوامی مفاہمت و محبت اور نوع انسانی کی بہبودی کے فقرات اس ادارہ کے چارٹر اور اس کے ارکان کی تقریروں اور تحریروں میں استعمال ہو رہے ہیں۔

اس قسم کے عالمگیر تعلقات اور ہمہ گیر تصدیقات کا پہلے انسانوں کے نظریات میں نشان نہیں ملتا۔ اور نہ اسلام کے علاوہ پہلے کسی ملت اور مذہب نے ایسے نظریات کو پیش کیا ہے۔ پس لا محالہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ وہ نظریات اور اصول ہیں۔ جن تک دنیا صدیوں کے بعد ترقی کرتی کرتی پہونچی ہے۔

لیکن جب ہم اسلام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تو ہمیں واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ شریعت اسلامیہ اپنی ابتدا یعنی پونے چودہ سو سال سے ہی ایسے اصول اور نظریات کی حامل چلی آرہی ہے۔ بلکہ شریعت اسلامیہ ایسے اصول و نظریات کے جدید جواہر ریزے بھی رکھتی ہے۔ جن تک ابھی دنیا کے نظریات اور قانون سازوں کا تصور بھی نہیں گیا۔ دنیا کے ارباب قانون اور مفکرین جس قسم کے اصول جانتے ہیں۔ اور جن کے قوانین میں موجود ہونے کی بس انہیں تمنا ہی ہے۔ وہ سب ابتدا ہی سے شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں۔

اسلام سے پہلے ادیان بھی اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے تھے۔ مگر وہ محدود اور زمانی تھے۔ اور ان کے اصول و نظریات بھی ایسے ہی محدود تھے۔ مگر اسلام چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی غیر محدود اور سرمدی قرار دیا جا چکا ہے۔ اس لئے

اس کے نظریات اور اصول غیر متبدل اور غیر تغیر پذیر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نے ان اصول و قوانین کو رفعت و کمال کی اس حد تک پہنچایا ہوا ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اور چونکہ موجودہ اور آئندہ کے تمام حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور ان میں کسی تبدل و تغیر کی گنجائش اور ضرورت نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم ارباب اقوام متحدہ کو خطاب کرنا موجودہ وقت میں ضروری سمجھتے ہیں۔ اور با ادب گذارش کرتے ہیں کہ جب کہ آپ حضرات عالمی مشکلات کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ تو اسلام کی طرف لوٹیں اور اس کے اصول و نظریات کا غور سے مطالعہ فرمائیں۔ آپ کو اسلام کے شجر طیبہ سے محکم حکمت ملے گی۔ اور نظر و فکر کے لئے ایک صحیح نقطہ کا آغاز ملے گا۔ جہاں آپ کو وہ علم ملیگا جو انسانی سیرت کی بہترین تشکیل کرتا ہو۔ جہاں آپ کو وہ روحانیت ملے گی جو کارزار دنیا میں جد و جہد کرنے والوں کے لئے سکونِ قلب اور جمعیت خاطر کا سرچشمہ ہو۔ جہاں آپ کو اخلاق اور قانون کے وہ باند اور پائیدار قواعد ملیں گے، جو انسانی فطرت کے علم حادی پر مبنی ہوں۔ اور خواہشات نفس کے اتباع میں بدل نہ سکتے ہوں۔ جہاں آپ کو تہذیب و تمدن کے وہ صحیح اصول ملیں گے، جو طبقات کے جعلی امتیازات اور اقوام کی مصنوعی تفریقوں کو مٹا کر خالص عقلی بنیادوں پر انسانی جمعیت کی تنظیم کرتے ہوں۔ اور عدل و مساوات، فیاضی اور حسن معاملات کی ایسی پر امن اور مناسب فضا پیدا

کر دیتے ہوں جس میں افراد و طبقات اور فرقوں کے درمیان حقوق کی کشمکش اور مفاد و مصالح کے تصادم اور اغراض و مقاصد کی جنگ کے لئے موقع باقی نہ رہتا ہو۔ بلکہ سب کے سب باہمی تعاون کے ساتھ شخصی و اجتماعی فلاح کے لئے خوش دلی اور اطمینان کے ساتھ عمل کر سکیں۔ بہرحال اسلام نے جو انسانی زندگی کے لئے پروگرام پیش کیا ہے۔ ایسا ہمہ گیر و بین الاقوامی پروگرام کسی بھی ملت اور قوم نے پیش نہیں کیا ہے اور نہ انسانی گروہوں سے کوئی کر سکے گا۔

حضرات! جو حالات دنیا میں مسلسل اور متواتر ظہور پذیر ہو رہے ہیں یہ اتفاقات نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چیلنج ہے کہ اسلامی نظریات اور اصولوں کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا جائیگا۔ قرآن میں ہے :۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔

اللہ وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق دیکر تاکہ غالب کر دے اس دین کو تمام دینوں پر۔

اور یہ بھی ہے :۔ واللہ متم نورہ

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

عنقریب دکھائیں گے ان کو اپنی نشانیاں مظاہر عالم میں اور ان کے نفوس میں بھی یہاں تک کہ ظاہر ہو جائیگا ان پر کہ دین اسلام ہی سچا ہے۔

یہ اور اس قسم کی دوسری آیات یہ پیشین گوئیاں ہیں جو پہلے سے ہی کی جا چکی ہیں اور ان پیشین گوئیوں کی حقانیت اور صداقت کا ظہور اس وقت سے اپنے وقت اور محل میں شروع چلا آرہا ہے۔

کیا اس کا کوئی منصف مزاج انکار کر سکتا ہے کہ اسلام سے دنیا بے خبر نہیں بلکہ اسلام دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا اور مزید پھیلتا چلا جا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات نے چودہ سو برس کی مدت میں اقوام عالم کی ذہنیتوں میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔ اور نبی نوع انسانی کے دل و دماغ پر اپنا تسلط اور اقتدار قائم کر لیا ہے۔ اور دنیا چاروں طرف سے ناامید ہو کر اسلامی اصول و نظریات کے اختیار کرنے میں اپنی نجات دیکھ رہی ہے۔ زمانوں کی ترقیات اور ارتقاآت نے اسے ان عالمگیر اصول و تصورات کے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یا بالفاظ دیگر یہ تعبیر کی جا سکتی ہے۔ کہ جیسے عالمگیر اور بین الاقوامی اصول و نظریات کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے۔ وہ اسلام سے اہل دنیا کو ملتے رہتے ہیں۔ ایسا ہونا لابدی تھا کیونکہ اگر اسلام ایسے اصول و نظریات اپنے اندر ودیعت نہ رکھتا تو اسلام کا عالمی اور ہمہ گیر ہونا ایک فریب ثابت ہوتا۔

یہ کوئی تعجب اور اچنبے کی بات قرار نہیں دی جا سکتی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی محمد رسول اللہ صلعم کو نبی عالم اور قرآن حکیم کو ساری انسانیت کے لئے دستور العمل اور دین محمدی کو سب کے لئے نظام زندگی اور ضابطہ حیات مقرر فرما دیا ہے۔ تو منطقی طور پر ضروری اور لابدی تھا کہ ان تینوں عالمی چیزوں کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کا بھی بندوبست کیا جاتا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا بھی گیا۔ تاریخ اور دنیا کے واقعات اسکی روشن شہادت دے رہے ہیں اور ہر قوم کے عالم

مورخ اس کی تائید کر رہے ہیں۔ کہ جب سے دنیا میں دین محمدی کا ظہور ہوا ہے۔
اسی وقت سے دنیا نے ترقی کی راہ اختیار کی ہے۔ اور انسانیت کو رفعت اور
اور علوم فنون کی ایجادات اور تہذیب و تمدن میں ترقی نصیب ہوئی ہے اور اقرار
کر رہے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم نے دنیا میں آکر دنیا کی کایا کو پلٹ دیا ہے۔
اور انسانیت پر جو پستی میں پڑکر مضمحل ہو رہی تھی۔ ترقی اور رفعت کی راہیں
کھول دی ہیں۔ اور دنیا کو علم و عرفان کی روشنیاں بخشی ہیں۔

حضرات ہم مسلمان تو عقیدتاً بھی ان باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ یعنی
اللہ تعالےٰ کی جانب سے پیش کی گئی تمام باتوں یقین رکھتے ہیں۔ تسلیم کرنے کے لئے
دلیل و حجت کے طالب نہیں ہیں۔ کیونکہ ہمیں یقین حاصل ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ
کی کوئی بات بھی حکمت اور فائدہ سے خالی نہیں ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔
لیکن غیر مسلموں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم اور تعلیم ہے کہ ان کے سامنے
اصول اسلام کو اصولی طور سے پیش کریں اور علمی و عقلی استدلالات سے بطریق احسن انکو
دعوت دیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام میں بیشمار مقامات پر علم و عقل کو چیلنج کیا ہے اور

لَا اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ ۔ دین میں زبردستی نہیں۔

فرما کر دین کے بارہ میں جبر اور زبردستی کے استعمال کو منع کر دیا ہے۔ یہ انسانی انفتیار
کا احترام اور اس کی آزادی ضمیر کی پاسبانی ہے۔ البتہ دنیا کے ہر سیاسی
نظام کی طرح سیاست کے دائرہ میں قوت کا استعمال وہ بھی کرتا ہے۔
لیکن عقیدہ سے اور مذہب کے دائرہ میں وہ دلیل کے بغیر کسی دوسری طاقت

کی رمق بھی استعمال نہیں کرتا۔

بہرحال یہ حقیقت ہے۔ کہ اسلامی دعوت کی بنیاد ہی عقل پر رکھی گئی ہے۔ اور یہی اس کی اساس ہے۔ قرآن حکیم کو دیکھ جائیے۔ تو آپ دیکھینگے کہ وجود باری کے ثابت کرنے لوگوں پر اسلام کی حقانیت واضح کرنے اور انہیں ایمان پر اکسانے کے سارے امور میں وہ بنیادی طور پر عقل کی قوتوں کو بیدار کرنے سے کام لیتا ہے۔ مختلف انداز اور نئے نئے ڈھنگ سے زمین و آسمان اور دوسری مخلوقات کی پیدائش کی طرف ان کی توجہات پھیرتا ہے۔ ان کی اپنی جانوں میں غور و فکر پر اکساتا ہے۔ نظروں کے سامنے پھیلی ہوئی دنیا اور عالم سماعی میں آنے والے واقعات وحقائق کی کہنہ اور اصل جاننے کی دعوت دیتا ہے۔ تاکہ اس طرح وہ اپنے خالق کو پہچان سکیں اور حق اور باطل میں تمیز کر پائیں۔ ارشاد ہے:۔

ع۱ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ ..... لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (البقرہ: ۱۶۴)

ع۲ قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا۔ (السبا: ۴۶)

ع۱ بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور پانی میں جس کو اتارا اللہ نے آسمان سے پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان اور زمین کے بے شک ان چیزوں میں نشانیاں ہیں عقل مند کیلئے ہے۔

ع۲ تو کہہ کہ میں تو ایک نصیحت کرتا ہوں تم کو اٹھ کھڑے ہو اللہ کے نام پر دو دو اور ایک ایک پھر دھیان کرو۔

ع۳ اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ ..... اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ (الروم: ۸)

ع۳ کیا دھیان نہیں کرتے اپنے جی میں کہ اللہ نے جو بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں سو ٹھیک سادھ کر اور وعدہ مقررہ پر۔

ع۴ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (یونس: ۱۰۱)

ع۴ تو کہہ دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانے والے ان لوگوں کو جو نہیں مانتے

ع۵ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۔ (الطارق)

ع۵ اب دیکھ لے آدمی کہ کاہے سے بنا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے جو نکلتا ہے پیٹھ کے بیچ سے اور چھاتی کے بیچ سے۔

ع۶ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ۔ (الغاشیہ)

ع۶ بھلا کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں کہ کیسے بنائے ہیں اور آسمانوں پر کہ ان کو بلند کیا ہے اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے کر دیے ہیں اور زمین پر کہ کیسی صاف بچھائی ہے۔

ع۷ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی۔ (قٓ: ۳۷)

ع۷ اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو جس کے اندر دل ہے یا لگائے کان دل لگا کر

ع۸ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (آل عمران)

ع۸ اور سمجھانے سے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔

ان کے علاوہ ایسی آیات بے شمار ہیں جو عقل سے کام لینے پر اُکساتی اور فکر کو ہر ایک بندھن سے آزاد کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔

قرآن کے نزدیک عقل سے کام نہ لینا، فکری قوتوں کو معطل کیے رکھنا، اندھا دھند ہر کسی کی پیروی کیے جانا، خرافات و اوہام کے پیچھے چل کر بے سمجھے بوجھے رسوم و رواج سے سٹے و چپٹے رہنا انسان کا بہت بڑا عیب ہے۔ ایسے انسان چوپائیوں سے بدتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل و فکر کی صلاحیت دے کر دوسری مخلوقات سے ممتاز کیا تھا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے سمجھ

بوجوہ سے کام نہ لیا۔ اس کے متعلق بھی بہت سی آیات ہیں :۔

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ ...... فھم لا یعقلون۔ (البقرہ، ۱۷۰-۱۷۱)

اور جب ان سے کوئی کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں گے جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ۔ اور مثال ان کافروں کی ایسی جیسے پکارے کوئی شخص ایک چیز کو جو کچھ نہ سنے سوا پکارنے اور چلانے کے بہرے گونگے اندھے سو وہ کچھ نہیں سمجھتے ۔

افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب ...... فی الصدور (الحج، ۴۶)

ولقد ذرأنا لجھنم۔ (الاعراف ۱۷۹)

ان کے سوا اور بھی آیات ہیں۔ بہرحال غور و فکر پر اس طرح اکسانے کے بعد اسلام نے انسان کو پوری فکری آزادی دی ہے۔

اسلام کی حقانیت کا زبردست ثبوت

اسلام کے چیلنج اور دعاوی کا سب سے بڑا اور زبردست ثبوت یہ ہے کہ اسلام کی طرف سے جو اصول و نظریات پیش کئے گئے ان کی حقانیت اور صداقت روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے واضح ہوتی چلی آ رہی ہے۔ اسلام نے جو کچھ کہا ثابت کر دکھایا۔ اور آئندہ مزید روشن ہوتا رہے گا۔ یہ کوئی حسن عقیدت یا شاعری نہیں ہے۔ دنیا کے سامنے پیش آئندہ اور پیش آفتادہ صحیح واقعات اور مشاہدات ہیں جن کو کسی وجہ سے جھٹلایا نہیں جا سکتا اور نہ انکار کی گنجائش ہے۔

ہر مکتب فکر کو چیلنج

وہ امرت رس، دنیا کو اس وقت جس کی تلاش ہے، اور وہ نظام حیات

کیا سیر نہیں کی ملک کی کہ ان کے دل ہوتے جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہے۔

جو ساری دُنیا کو ایک ہی مرکز پر جمع کر سکتا ہے۔ مذہبی رنگ میں ہو خواہ غیر مذہبی
رنگ میں، وہ صرف اسلام ہی ہے۔ کوئی نہ جانے، یا جان کر نہ مانے اس کو
اختیار ہے۔ مگر حقیقتِ اصلیہ کا وجود کسی کے جاننے یا ماننے کا محتاج نہیں پس
ٹھوس حقیقت اور عین صداقت یہ ہے کہ اس وقت کی عالمی مشکلات اور بے
چینیاں خدا تعالےٰ سے بغاوت اور اس کے پیش کردہ نظامِ حیات کے ترک کرنے
اور انسانوں کے اپنے خود ساختہ نظاموں کے اختیار کرنے سے پیدا ہوئی ہیں اگر
آج دنیا کے بڑے لوگ خدا اور یوم حساب پر ایمان لے آئیں اور خدا کے پیش
کردہ اصول کو اپنانا شروع کر دیں تو ساری دنیا میں امن و سلامتی قائم و رائج
ہو سکتی ہے۔ اور دنیا جنت کا نمونہ بن سکتی ہے۔ یہ بات صرف ادعائی طور پر
نہیں کہی جا رہی بلکہ دنیا اس کے نمونہ اور مثالی نظام کو پہلے دیکھ بھی چکی ہے اور
اس کا اعتراف کر رہی ہے۔

ایک بنلہ سنیج فرانسیسی کا قول ہے کہ اگر خدا نہ ہو تو بھی ہمیں (نعوذ باللہ
من هذا القول) اپنی ضرورت کے لئے ایک خدا بنانا پڑے گا۔ بہر حال
ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ محض اندھی قوت کے بل بوتے پر قائم شدہ حکومتوں
کے اوپر ایک اعلیٰ طاقت اور حکمران کا تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔

عقلاء دور حاضر کو ہوش میں آنا چاہئے۔ اور اپنی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنا چاہیئے۔ عقل فیصلہ اٹل دے رہی ہے۔ کہ انصاف کسی پر رحم نہیں کرسکتا انصاف اپنے نفاذ میں بے رحم ہے۔ بلکہ اس کا نافذ ہونا ہی مجسم رحم ہے۔ جن لوگوں کو اپنے ظلم پہ بے انصافیوں پر نازیا اصرار ہے۔ ناممکن ہے کہ ان کو اپنے کئے گئے برے اعمال کی سزا (اگر انہوں نے تدارک نہ کیا) نہ بھگتنی پڑے عقل اس کو ناممکن قرار دیتی ہے۔ جو عقلیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کو اس بات اور فیصلہ کو غور و فکر سے سمجھ کر مان لینا چاہئے۔ اپنے اوپر مصیبتوں کو فراہم نہ کرنا چاہیئے۔

سوچنے کی بات ہے کہ سرمایہ داری نے دنیا والوں کیا فائدہ دیا اشتراکیت نے کیا گل کھلائے۔ اور موجودہ جمہوریتوں سے کیا ثمرات حاصل ہوئے جب تک کسی نظام سے عوام کو راحت نصیب نہ ہو چند افراد کی راحت کو راحت شمار نہیں کیا جاسکتا!

سب کو معلوم ہے۔ کہ ان خود ساختہ انسانی نظاموں نے انسانیت کو کتنی اور ذلیل کر رکھا ہے۔ اور پہلے سے زیادہ انسان مصیبتوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ واقعات عالم آپ کے سامنے ہیں۔ ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے آپ کی عقل فکر سے باہر نہیں ہیں۔ اس وقت آپ فکر و عمل کے میدان میں ناگزیر ہے۔ کہ آپ حقائق کا سامنا کریں۔ اس وقت اکثر ملکوں کی باگ ڈور آپ کے

ہاتھوں میں ہے۔ آپ اس بات کی قدرت رکھتے ہیں۔ کہ ملکوں کے قوانین اور عدالتی نظاموں کو الاسلام یعنے خدا تعالٰی کے دیئے ہو نظام حیات کی بنیادوں پر استوار کریں۔

اسلام مسلمانوں کی آبائی جائداد نہیں یہ تمام انسانیت کی مشترکہ متاع ہے (اس بات کو دوسری جگہ پوری طرح بیان کیا گیا ہے) آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کے ظہور سے پہلے ان مسلمانوں کا دنیا میں وجود ہی کہاں تھا کہ جس وجہ سے یہ کہا جاسکے کہ اسلام تو خاص مسلمانوں کا مذہب ہے دوسری قوموں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ پس جیسا کہ ابتدائے اسلام سے جن غیر مسلموں نے اسلام کو قبول کیا وہی لوگ مسلمان کہلائے چاہے ان کا کوئی ملک تھا یا کوئی قوم تھی۔ پس اب بھی جو اسلام کو قبول کرے گا۔ وہ ہی مسلمان کہلائیگا۔ پس معلوم ہوا کہ اسلام کسی بھی قوم کا خاص منصب نہیں بلکہ اسلام کا کسی بھی قوم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں یہ اسی کا ہے۔ جو اس کو قبول کر لے۔ اور یہ سب کی مشترکہ متاع ہے۔

باغی نہ توانی شد، فرمان پذیراں شو

پس جو لوگ اپنے نفسوں پر رحم کے طالب ہیں اور انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ اور مستقبل میں جو انصاف کا تقاضا ہے۔ اور ان کے دلوں کو ڈر اور خوف بھی ہے۔ تو ان کو خدا تعالٰے پر اختیاراً ایمان لے آنا چاہئے اور خدا تعالٰے کے پیش کردہ آئین و اصولوں پر اپنے اپنے نظاموں کو قائم اور رائج کرنا چاہئے۔

اس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ اگر آپ دُنیا میں امن وسلامتی کے متمنی ہیں، اور موجودہ تمام مشکلات کا حل چاہتے ہیں تو بلا تامل اور جھجک اسلام کو جو سب کے لئے ہے، ٹھنڈے دل سے قبول کر لیا جائے۔ یہ بات اس وقت آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں کہ ساری دنیا مذہب مذہب پکار رہی ہے۔ اور زمانہ بھی اس کا سختی سے تقاضا کر رہا ہے۔ اور جو لوگ پیش آمدہ حالات کا غور سے مطالعہ کر رہے ہیں، وہ بھی ان مشکلات کا حل کسی مذہب کے تسلیم کرنے میں دیکھ رہے ہیں۔ یہ بات اپنے موقعہ پر فیصل ہو چکی ہے کہ خدا تعالےٰ کا دیا ہوا جو مکمل ضابطہ حیات ہے اور محفوظ بھی ہے وہ اس وقت صرف اسلام ہی ہے۔

یہ دعوےٰ اور چیلنج سورج سے بھی زیادہ روشن ہو کر ساری دنیا کے سامنے چمک رہا ہے۔ تعصّب اور ضد تو مرض لا علاج ہیں، باقی حقیقت پسند اور جویائے صداقت، منصف مزاج انسان اس دعوےٰ کو جھٹلا تو نہیں سکتا۔ البتہ اختیاراً دارادۃً اپنانا اور قبول کرنا اس کی اپنی مصلحت پر ہے۔

اس دعوےٰ کی حقانیت اب ایسی نہیں رہی، کہ اس کے اثبات کے لئے علمی یا عقلی دلائل پیش کرنے کی زحمت برداشت کی جائے۔ کیونکہ یہ بات یا دعویٰ بدیہی ہے جس کی طرف اور توجہ کر لینا کافی ہے

چونکہ اسلام۔ نظامِ مذہبی اور نظامِ زندگی کے متعلق بہترین نظریہ اور کامل ترین پروگرام پیش کرتا ہے۔ لہٰذا ہمارا مخاطب ہر ایک سنجیدہ انسان ہے۔ وہ مذہبی ہو یا اس کا کوئی مذہب نہ ہو۔

یہ دُنیا اور اس کی تمام نعمتیں بلاتخصیص تمام انسانوں کے لئے ہیں۔ اسی طرح اسلام اور اس کے مقدّس آئین و اصول سب کے لئے ہیں۔ ہر ایک بات کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

اس عالم گیر روشنی میں جبکہ ہر ایک اُلجھی ہوئی بات کھل کر واضح اور روشن ہوتی جا رہی ہے۔ اقوامِ عالم کے بڑے لوگ غیر متعصب، منصف مزاج، حق و سچائی کے متلاشیوں اور امن و سلامتی کے خواہشمندوں پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہو رہی ہیں سب سے بڑی اور اہم ذمہ داری یہ ہے کہ ان عالم گیر مشکلات کے حل اور ان کو دور کرنے کے لئے خدائی تدبیرات کو اختیار کریں یعنی اس عالمی دستور العمل کو جو دنیا کی تمام قوموں کے لئے اجتماعی اور انفرادی شعبوں کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ۱۳۷۵ برس سے دیا جا چکا ہے۔ اس کو اختیار کریں۔ اور رواج دیں وہ عالمی دستور العمل الاسلام یعنی امن و سلامتی کا ضابطۂ حیات ہے۔ غلط نظریوں پہ جمے رہنا اور اندھی تقلید میں گرفتار رہنا عقلمندوں منصف مزاجوں اور غیر متعصبوں کا شیوہ نہیں ہونا چاہئے۔ خصوصاً جبکہ جدید تحقیقات اور تاریخی واقعات عالم جبکہ ۱۳۷۵ برس سے اسلام کی حقانیت و صداقت کا ثبوت دیتے چلے آ رہے ہیں اور اسلام کا کوئی اصول کمزور اور ناقص ثابت نہ ہو سکا ہو۔ بلکہ جس قدر تحقیقات اور تجربات ترقی پذیر ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی قدر اسلام کی حقانیت و صداقت روشن ہو رہی ہے۔ کہ اسلام ہی انسانیت کا شارع اور اس کی فطرت کا ترجمان ہے۔

عقل مند انقلابی انسان کو کوئی لالچ اور طاقت حق پسندی اور صداقت شعاری سے روک نہیں سکتی اور نہ اس کی خواہشات وشہوات اور آرزوئیں اس کے راستہ میں حائل ہو سکتی ہیں۔ پس اگر دنیا کے بڑے لوگوں کو علمی وعقلی معیار سے صرف نظام عالمی کے نظریہ سے ایسی بہترین چیز کی تلاش ہے تو وہ اسلام ہی ہے اور اگر مذہبی نظریہ سے مطلوب ہے تو یوں اسلام ہی ہے۔ یہ وہ اٹل اور فیصلہ کن باتیں ہیں جو آپ کے سامنے آئندہ پیش کردی ہیں۔ ان کا موجودہ معیار پر پرکھ کر تسلیم کرنا نہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔ ساری مشکلات کا حل اس نکتہ میں ہے کہ دنیا کی تمام قومیں اپنے ایسے اغراض ومقاصد کو جو اسلامیات سے متصادم ہیں۔ ان کو بدل کر اسلامی اصول ومقاصد کو اپنے اغراض ومقاصد قرار دیں۔ اور ان کو ہی اختیاراً خوشی سے قبول کریں۔ اسلام کے اصول ومقاصد تمام قوموں کی مشترکہ متاع ہے۔ اس لئے کہ اسلام سب کا ہی مذہب اور ضابطۂ حیات ہے۔

بے شک ہمیں جواب بھی دیا جاسکتا ہے۔ مگر انتظار کیجئے زمانہ خود بتلا دینے والا ہے۔ کہ حق کیا ہے۔ اور کس کی کہی گئی بات واحد اور سچ ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔

ابو احمد محمد عبداللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ
لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ پ ۲۱

نوٹ۔ اس آیت کا ترجمہ اور تشریح آگے آرہی ہے۔

مشکلات کیونکر پیدا ہوتی ہیں؟

دنیا کا تمام کارخانہ قدرت کی طرف سے ظاہر میں علل واسباب کے ساتھ وابستہ ہے، یعنی انسان جیسے جیسے اسباب پیدا اور اختیار کر رہے ہیں۔ ان کے مناسب حالات پیش آرہے ہیں، ہر نوع اسباب کا اپنے اپنے مسببات کے ساتھ لگاؤ اور تعلق ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عالم میں انقلابات و تغیرات تاریخ کے تقاضوں اور وقت کی ضرورتوں سے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں انسانوں کے کسب وعمل کو کوئی دخل نہیں اور نہ اور کوئی قوت اس سلسلہ میں کام کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

یہ منکرین خدا مادہ پرستوں کا قول ہے۔ کہ جن باتوں کے اسباب و علل اور دلائل ان کی سمجھ میں نہیں آتے ان کو تاریخ اور اقتضاء زمانہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ یہ وہ غلطی فاش ہے جو عالمی مشکلات میں اضافہ کا باعث بن چکا ہے خصوصاً جب سے دنیا میں مادی عوامل کا ظہور ترقی پذیر ہوا ہے یہ غلطی غلطی نہیں رہی بلکہ اس کو حقیقت اصلیہ اور منصوص صداقت [illegible] مانے لگا ہے۔

عقلِ سلیم اور مذہبِ آسمانی کا فیصلہ

یہ ہے کہ تغیرات و انقلابات انسانوں کے کسب و اکتساب اور مشیت الٰہی سے وجود میں آتے ہیں۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے جس کو آئندہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ یہاں صرف قرآن حکیم کی ایک دو آیات نقل کر کے قدرے بحث کی جائے گی۔

قال اللہ تعالیٰ:۔

تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ﴿۳/۱۳۹﴾ — اور ہم یہ دن لوگوں میں باری باری بدلتے رہتے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ — پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں، لوگوں کی ہاتھ کی کمائی سے، چکھانا چاہیئے ان کو کچھ مزا ان کے کام کا تاکہ وہ پھر آئیں۔

ہم نے قرآن حکیم کی شہادت سے مشکلات کے اسباب و علل کو بیان کرنا اس لئے اختیار کیا ہے۔ کہ قرآن خدا تعالیٰ کی اپنی کلام ہے۔ اور اس کی ساری باتیں حقیقت و صداقت پر مبنی ہیں۔ اور اس وقت یہی ایک ایسی کتاب الٰہی ہے۔ کہ ہر ایک زمانہ میں اس میں سے انسانوں کو زمانہ کے مطابق ہدایات مل سکتی ہیں جن سے وہ اپنی مشکلات کا حل معلوم کر سکتے ہیں۔

قرآن حکیم کا خدا ہی کی کلام ہونا اپنے موقع پر ہر قسم کے دلائل و شواہد

سے ثابت ہو چکا ہے اور اقوام عالم کے منصف مزاج علماء اس کو تسلیم کر چکے ہیں۔ بلکہ قرآن کی اس پیش گوئی اور چیلنج کو:۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔

ہم ان کو بہت جلد اپنے نشانات قدرت دکھائیں گے ظاہر عالم کے اندر بھی اور خود ان کے نفوس میں بھی جس سے ان لوگوں پر یہ

بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ اسلام تو ضرور سچا ہے۔

کے مطابق

اب دنیا کے غیر مسلموں سے بڑے لوگ ٹھوکریں کھا کھا کر قرآن کی باتوں اور فیصلوں کو اختیار کرنے لگ گئے ہیں۔ اگرچہ یہ حضرات کسی مصلحت سے قرآن اور اسلام کا نام نہیں لیتے مگر باتیں وہی ہیں جو قرآن چودہ سو برس سے کہتا چلا آ رہا ہے۔ اس موضوع پر مفصل بحث آئے گی۔

بہر حال قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ ہر چیز کا وجود اسباب کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور خشکی اور تری میں فساد و بگاڑ (خود انسانوں کے برے اعمال و افعال اور ناشائستہ اخلاق و عادات اور عقائد باطلہ سے) پیدا ہوتا اور پھیلتا ہے پھر انسانوں کو مہلت دی جاتی ہے۔ تاکہ اپنی اصلاح کریں۔ اور خدا کی طرف توجہ کریں،

لیکن اگر پھر بھی مہلت کی مدت میں اصلاح پذیر نہیں ہوتے تو ایسی قوموں کو دنیا سے بے نام کر دیا جاتا ہے۔

سرتابی کرنیوالی قوموں کے عبرت انگیز واقعات

قرآن حکیم نوع انسانی کو اپنا مخاطب بنا کر بار بار کہتا ہے کہ ان قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ پر غور کرو جو تم سے پہلے سطح ارض پر آباد ہوئیں اور اپنے تمدن و عمران اور دوسرے مختلف شعبوں کو کمال تک پہونچا کر اپنے دنیوی جاہ و جلال کو پائیدار بنانے کی کوشش کیں، لیکن سب قومیں اپنی بدکرداریوں کی پاداش میں لقمہ نہنگ اجل ہو گئیں کس لئے؟ اس لئے کہ ان کے تمدن و عمران کی اساس درست نہ تھی۔ انہوں نے ہنگامی کامیابیوں پر مغرور ہو کر خدائے جلیل القدر کی قدرت کاملہ کو ہیچ سمجھنا شروع کر دیا، اس کا انکار کر دیا۔ اور اس سے سرتابی کرنے کی مجرم ہوئیں اور نظام کائنات کو ارباب من دون اللّٰہ کی طرف (جو انہیں کے اوہام اور ظنون نے اپنی خواہشات کے مطابق تراش رکھے تھے) منسوب کیا ان واقعات میں قرآن مجید نے اس حقیقت کبریٰ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جب کوئی قوم قدرت کاملہ کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے اور اپنے عروج کو اپنی ہی کوششوں کا ثمر سمجھ کر خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتی ہے۔ یا اس کا انکار کر دیتی ہے۔ تو پروردگار عالم کی قدرت کاملہ اپنی بیشمار مخفی قوتوں میں سے کسی قوت کو یا کائنات ارض و سماوی کے ان گنت عوامل عنصری میں سے کسی عامل کو اس قوم کی سرزنش کے لئے مامور کر دیتی ہے۔ جس کے مقابلہ میں انسان کے تمدن کی تمام پائیداریاں ہیچ اور اس کی ہر قسم کی تمدنی اور عمرانی ترقیات بے بس ہو کر رہ جاتی ہیں ایسی

قوموں کو عوامل قدرت نے اٹھا کر ان کے سارے تمدن کو اس طرح تباہ و برباد کر دیا کہ اجڑی بستیوں کے مٹی اور ریت کے نیچے دبے ہوئے آثار اور ان کی حد تک بڑھی ہوئی سرکشی کے بکھرے ہوئے افسانوں کے سوا کوئی چیز ان کی یاد تک دلانے والی باقی نہ رہ گئی۔

قوم نوح کی تباہی پانی کے طوفان سے ہوئی۔ قوم عاد کو آٹھ دن رات مسلسل چلنے والی تیز آندھی نے موت کی نیند سلا دیا۔ قوم ثمود کو خوفناک گرج اور بجلی نے بے جان کر کے رکھ دیا۔ قوم لوط کی بستیاں زلزلہ کے جھٹکوں اور آتش فشاں پہاڑ کے دہانہ سے اچھل اچھل کر گرنے والے سنگریزوں کی بے پناہ بارش سے تباہ ہو گئیں۔ مدائن اور جنگل کے باشندوں کو دھوئیں کی گھنگھور گھٹاؤں نے گھیر لیا اور زلزلہ نے ان کی عمارات کا خاتمہ کر دیا۔ آل فرعون کو بحیرہ قلزم میں غرق کیا۔ سبا والوں کی بستیاں سیل رواں سے بہا دی گئیں۔ وہ شاداں ملک لق و دق جنگل و صحرا بن گیا۔ بنی اسرائیل مخالف قوموں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوئے۔ اور اصحاب فیل کا تیا پانچہ ابابیل کی کنکریوں سے کیا گیا۔

خرد باختہ فلسفیوں کی تسلیاں

قرآن حکیم نے ان ہولناک انجاموں کا طرز بار بار بیان کیا ہے اگر بد کردار ملل کو سزا دینے کا معاملہ محض انسانوں کی عقل و تدبیر [illegible] پر موقوف ہوتا اور نوع انسانی کی تاریخ ان ہولناک [illegible] سے یکسر

خالی ہوتی تھیں جن میں عوامل قدرت نے قوموں کی قوموں کا صفایا کر دیا۔ اور ان کے
ترقی یافتہ تمدنوں کی بساط الٹ دی تو کوتاہ نظر فلسفی کہہ سکتا تھا کہ انسانوں میں
بقائے اصلح کے وہی قانون و اصول کارفرما ہیں جو کرۂ ارضی کی حیوانی زندگی میں کشمکش
حیات کے لیے ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ یعنی طاقتور قومیں زیردست قوموں کو
پامال اور محو کرتی چلی جا رہی ہیں۔ اس معاملہ میں کسی فوق الفطرت اور قادر مطلق
کی طاقت کی کارفرمائیوں کو مطلقاً دخل نہیں۔ لیکن خود باختہ فلسفیوں کا فکر
اس عقدہ کو حل نہیں کر سکتا کہ عوامل قدرت کیوں یک بیک انسان کے دشمن
بن کر اس کی قرنہا قرن کی محنتوں کے ثمرات کو کالعدم کر دیتے ہیں۔ وہ ایسے عظیم
الشوکت حادثات کو محض اتفاقات پر محمول کرتا ہے لیکن دانشمند جانتا ہے کہ اس
قسم کے حوادث اسی قادر قدرت کے مزاج کی برہمی کا نتیجہ ہیں۔ جس کے آغوش
میں انسان و حیوان اور ہر قسم کی موجودات ارضی و سمائی پرورش پا رہی ہے۔
قرآن دانش فروش فلسفیوں کے اس نظریہ کی پورے زور سے تردید کرتا اور
اور کہتا ہے کہ اس قسم کے ہولناک حوادث بھی اسی خدا کے بنائے ہوئے ا
خاص قانون کے تحت رونما ہوتے ہیں جس نے ارض و سما کو پیدا کیا۔ اور
اس کی موجودات کے اندر ہر قسم کی صلاحیتیں رکھ دیں۔ عناصر قدرت کی بکھری
ہوئی ہولناکیاں اور تباہیاں خود انسان کے اعمال، افعال، اخلاق و عادات
اور افکار و عقائد کے نتائج ہیں۔ جیسے کرۂ ارضی پر ایک خاص حد تک فاعل

مختار بنا کر امتحان کے لئے بھیجا گیا ہے۔ وہ اس نظریہ کے ثبوت میں متذکرہ صدر ملل
کی تاریخ کو ثبوت اور شہادت کے طور پر پیش کر کے کہتا ہے کہ کرۂ ارض کے تمام حوادث
کو اس کسوٹی پر پرکھ کر دیکھو گے۔ تو تمہیں حقیقت حال معلوم ہو جائیگی۔ اور تم اپنے لئے
صحیح راہِ عمل تلاش کرنا چاہو گے تو کر سکو گے۔

عصرِ حاضرہ میں جب کہ انسان کی عقلی کامیابیاں اسے کفر و عصیان و طغیان کی انتہائی
معراج پر لے جا رہی ہیں۔ جہاں پہنچ کر فرعون مصر نے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا اور نمرود
وبابل نے اَنَا اُحْیِیْ وَاُمِیْتُ کا نعرہ لگایا تھا۔ ملل قدیم کے حالات و واقعات اور
ان کے ہولناک انجاموں کی طرف بہت زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے ملل فرنگ
کے چند روزہ عروج نے کرۂ ارضی کو پھر اسی قسم کے فسق و فجور سے معمور کر دیا ہے
جو قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، اہل مدین اور دوسری متمدن اقوام پر
آسمانی بلائیں برسانے کا موجب ہوا تھا۔ آج ملل فرنگ اور ان کی متبع اور مقلد
اقوام پر قرآن پاک کی بیان کی ہوئی اس حقیقت کبریٰ کے اظہار و اعلان کی اشد
ضرورت ہے کہ تم بھاپ۔ بجلی۔ ریڈیم۔ اور دیگر قوائے فطرت کو تابع فرمان بنا لینے اور
فراعنہ مصر و نمارود بابل کی طرح اپنے تمدن کے قدم کو ہمالیہ کی چوٹی سے بھی ارفع
داخل کرنے بحر و بر کو حیطۂ اقتدار میں لانے اور ہوا کے کندھوں پر اڑنے کی صلاحیتیں
پیدا کرنے کے باوجود ہلاکت و بربادی کی طرف جا رہے ہو۔ تم صراطِ مستقیم سے
ہٹ کر پھر اسی راہ پر ہو لئے ہو جس پر چل کر عاد و ثمود، اصحاب ایکہ، اہل سدوم

وعمودہ وغیرہم ابدی ہلاکتوں کا شکار ہوئے تھے۔ قرآن پکار پکار کر کہتا ہے :-

اَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

کیا انہوں نے ملک بھر میں پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا وہ ان سے بھی بڑھ کر قوت والے تھے۔ اور انہوں نے زمین کو جوتا تھا اور ان سے بہت زیادہ آباد کیا تھا اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات بھی لے کر آئے تھے پھر اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔

عالمی مشکلات کا دورِ اوّل

(ظہر الفساد فی البر والبحر)

آیت مذکورۃ الصدر میں اس فساد و بگاڑ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جبکہ ساری قومیں بمنزلہ قوم واحد ہو رہی تھی۔ اور یہ بعثت محمدی سے پہلے تاریک زمانہ کا قصہ ہے۔ اس وقت دنیا پہلی مرتبہ عالمی مشکلات میں مبتلا ہوئی تھی اور فساد و بگاڑ کی گھٹائیں مشرق و مغرب اور بر و بحر پر چھا گئی تھی۔

محققین یورپ نے بھی زمانہ تاریک کی حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مورخ بھی اس مشہور صداقت پر حرف گیری نہیں کر سکے

مشکل حل کیسے

اس وقت دنیا اپنی مشکلات کے حل کے لئے عالمگیر اصلاحی تحریک کی محتاج تھی۔ ایسی اصلاحی تحریک جس کے لئے پیغمبرانہ دست و بازو کی حاجت تھی اور وہ بھی ایسے پیغمبر کے دست و بازو کی جس کے متعلق خدا خود فرما سکے

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ۔ (فتح ۱۰)

جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اور ان کے اوپر خدا کا ہاتھ ہے۔

امن و سلامتی کے آفتاب کا طلوع

پس ان عالمی مشکلات کے حل اور اس عالمگیر تاریکی کو دور کرنے کے لئے آفتاب امن و سلامتی کی صبح نمودار ہوتی ہے۔ یعنی گھنگھور گھٹاؤں میں خورشید تاباں ضیا گستری کرتا ہے۔ دنیا گناہگاریوں اور ظلم و ستم کی تاریکیوں سے گھری ہوئی تھی کہ دفعتہً فاران کی چوٹیوں سے صبح سعادت نے ظہور کیا اور حق و صداقت اور امن و سلامتی کا آفتاب پرتو افگن ہوا۔ سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخ کہن مدتہائے دراز سے اسی صبح جاں فزا و جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنان قضا و قدر کی بزم آرائیاں عناصر کی جدت طرازیاں۔ ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں ابر و باد کی تردستیاں عالم قدس کے انفاس پاک۔ توحید ابراہیمؑ جمال یوسفؑ معجزہ طرازی موسیٰ جاں

نوازی مسیح سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں آئندہ شاہنشاہ کونین کے دربار میں کام آئیں گے۔

یہ جو بیان کیا گیا ہے۔ محض حسن عقیدت یا مبالغہ ادبی شاعری نہیں حقیقت ہے واقعیت ہے جیسا کہ آئندہ آپ کی سیرت کے بیان میں واضح ہو جائیگا۔

یہ بہر حال دنیا اور خصوصاً عرب کی سرزمین اس ظلمت میں تھی۔ کہ صبح سعادت نمودار ہوئی۔ اور خورشید نبوت کے طلوع کا غلغلہ برپا ہوا ظلمت شب کا فور ہوئی اور تھوڑی دیر میں ذرہ ذرہ سورج کی کرنوں سے پرنور ہو گیا یہ ظاہر ہے کہ یہ سورج دنیا کو روشن کرنے نکلا تھا مگر اس نے عرب کے افق ہی سے نکلنا تھا۔ اس کے وجوہات آگے مفصل بیان ہونگے۔ پس ضروری تھا کہ اس کے نور سے پہلے اس ملک کی سرزمین روشن ہو۔

عالم گیر اصلاحی تحریک کا آغاز

فاران کی چوٹیوں سے اصلاح کی دعوت جو شروع ہوئی تھی فطرت انسانی کے بدلنے کا سوال نہ تھا بلکہ اس کا مقصد انسانی عادتوں کی دھاتوں کو خاص سانچوں میں ڈھال کر اچھی شکلوں میں تبدیل کرنا تھا۔ اور ان کے اظہار کے لئے راستوں کا مقرر کرنا تھا۔ مصلح دراصل یہی ہدایت کرتا ہے کہ انسان اپنی کسی خصلت یا قوت کو کس راہ پر لگائے۔ اور اس کا کس حد تک مظاہرہ کرے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عالم گیر اصلاحی انقلابی اور فکری

پروگرام جو دنیا والوں کے سامنے پیش کیا جس نے ساری دنیا میں انقلاب عظیم
پیدا کر دیا، اس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

مقصود دنیا میں عالم گیر اصولوں پر حکومت عادلہ کی طرح ڈال کر دکھانی تھی
جو سب قوموں کو اپنے میں سمیٹ سکے۔ جس کا نمونہ آپ کے خلیفہ ثانی حضرت عمر
بن الخطاب دنیا کے سب سے بڑے بادشاہت قائم کر دیا۔

آخری حج حجۃ الوداع میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

آج تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمام کر دیا اور اسلام کو تمہارا دین پسند کیا۔

یعنے حضورؐ اس دنیا میں جس بڑے مقصد کی تکمیل کے لئے تشریف لائے وہ
پورا ہو گیا اور حضورؐ بے اختیار پکار اٹھے۔ اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَہَیْئَتِہٖ
یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ خدا تعالےٰ نے اس کائنات کی پیدائش کے
وقت اس کی جو صورت تجویز فرمائی، زمانہ آج پھر پھرا کر اس صورت پر آ گیا۔
گویا دوسرے لفظوں میں حضورؐ نے اس حقیقت کبریٰ کا اعلان فرما دیا کہ مشیت الٰہی
یہی تھی کہ ہزاروں سال کے بعد ایک دور آئے جب فطرت انسانی انتہائی عروج
پا کر ایک ابدی اور ازلی صورت اختیار کر لے۔

اسلام فطرت انسانی کی کبھی نہ بٹنے والی تصویر ہے۔ زمانہ کی ترقی کے ساتھ

ساتھ اس کے رنگ خود بخود چھٹتے نظر آئیں گے۔ اور کوئی دور ایسا نہ آئے گا جب انسانی آنکھیں اس کی طرف اٹھ کر مایوس لوٹیں۔

اسلام میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو اسلامی نظام کی تکمیل کا کام سپرد ہوا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے نظام کی بنا رکھ رہے تھے جس پر دنیا کئی ہزار سال بعد پہنچنے والی تھی۔ اس لئے وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر بہادر کی ادنیٰ لغزش کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ (اسلام کے سوشلزم میں جو بلندی ہے ایسی بلندی دنیا کے کسی سوشلزم میں نہیں پائی جاتی۔ یہ ایک آئیڈیل ہے۔ وقت آئے گا جب دنیا ان نکات پر متوجہ ہو گی۔)

(یہ مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی سیاسی قوتوں کا مرکز دو قوموں میں تقسیم ہو کر رہ گیا تھا۔ سارا مشرق کسریٰ ایران کے اور سارا مغرب قیصر روم کے زیر اثر تھا۔ یہی دونوں قوتیں باہم کش مکش کر رہی تھیں کہ اسلام ظاہر ہوا۔ اور خلافت فاروقی میں دونوں قوتیں ختم ہو گئیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی قوت تمام عالم کی سب سے بڑی قوت ہو گئی)

کوئی منصف مزاج انسان انکار نہیں کر سکتا کہ نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والا صفات ہے جس نے ایسے زمانہ میں مبعوث ہو کر جب کہ دنیا جہالت و گمراہی کے انتہائی حدود پر پہنچ چکی تھی۔ اس کو ایک مرتبہ پھر انسانیت صحیحہ کے سیدھے

راستہ پر کھڑا کر دیا۔ آج بھی جبکہ ہم شکل و صورت کی بنا پر ان ایام جاہلیت سے قریب تر ہو رہے ہیں تو صرف اسی صحیح روایت سے انتساب ہماری نجات کا حقیقی باعث ہو سکتا ہے۔

بہرحال النبی الخاتم صلعم کو ساری دنیا کے لئے ہادی قرار دے کر ہمیشہ کے لئے مبعوث کیا گیا تھا۔ آپ نے دنیا کے دیکھتے ہوئے ضابطۂ حیات کے مطابق عالم گیر حکومت عادلہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین نے اس کا نمونہ قائم کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ خلافت راشدہ کے بعد دنیا میں مسلمانوں کی بہترین اسلامی حکومتیں اسلامی اصول پر قائم ہوتی رہیں۔

بدقسمتی سے ہماری تاریخ نے فتح آزماؤں کے کارناموں پر بہت زور دیا۔ یا حکمرانوں کی غلط کاریوں اور کوتاہیوں کو تاریخ نے ضرورت سے زیادہ توجہ دی۔ لیکن اسلامی انقلاب سے جو شاندار اور دوررس نتائج برآمد ہوئے ان کی تحقیق نہ کی۔ اور ان حکمرانوں کی سرپرستی میں اسلام نے جو ترقی کی اور دور دور تک دنیا کے گوشوں میں پھیلا اس کو حسب استحقاق اجاگر نہیں کیا حالانکہ ان ہی اسلامی فتوحات کی وجہ سے انسانیت کو نئی زندگی سے متمتع ہونے کا موقع ملا اور مفتوحہ قومیں اسلام سے متعارف ہوئیں۔

اسلام دنیا میں کیونکر پھیلا؟

اس سلسلہ میں غیر مسلموں کی طرف اسلام کے خلاف بہت کچھ کہا گیا ہے

جس کو یہاں بیان کی گنجائش نہیں لیکن اب یہ بات نمایاں ہو کر سامنے آچکی ہے کہ اسلام کے خلاف جو کچھ کہا جاتا رہا وہ سراسر بہتان اور خود ساختہ باتیں تھیں۔ بلکہ غیر مسلم بھی اسلام کی طرف سے اس کی وکالت کر رہے ہیں۔ اسلام پر اعتراض کرنے والوں کو تحقیقی اور تاریخی جوابات دئے جا رہے ہیں۔ یہ تمام باتیں آگے اپنے محل پر آرہی ہیں۔ لیکن پھر بھی مناسب ہے کہ چلتے ہوئے ایک منصف مزاج غیر مسلم (سوامی لکشمن جی مہاراج مصنف عرب کا چاند) کی اپنی تحریر کو اس موقع پر نقل کر دیا جائے۔ لکشمن جی مہاراج لکھتے ہیں۔ کہ "میرے دل کے آتش کدے میں ان شپرہ چشم اور متعصب مصنفوں کی تنگ نظری اور تعصب کو جلا کر خاک سیاہ کر دینے کے لئے بے پناہ شعلے بھڑکنے لگتے ہیں جو کفار کے اس جبر و تشدد و زہر گداز ستم کے روح فرسا مناظر کو دیکھتے ہوئے بھی یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت تلوار اور تشدد کے زور سے ہوئی ہے۔ اور انکے اس غلط نظرئے کو تھوڑے سے الٹ پھیر کے بعد صحیح بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ وہ اسطرح کہ تشدد جس نے اسلام کی اشاعت میں غیر معمولی مدد دی مسلمانوں کی طرف سے نہیں تھا۔ بلکہ کفار کی طرف سے تھا۔ کفار ظالم تھے مسلمان مظلوم کفار کی خون آشام تلواریں نیام سے باہر تھیں مسلمانوں نے ان کو زنگ آلود ہونے کے لئے کسی کونے میں پھینک رکھا تھا۔ ان کے پاس اگر کوئی تلوار تھی۔ وہ صداقت کی تلوار تھی۔ اور وہ اسلام کی حریت آرا اور عدم تشدد کی تلوار تھی جو اسلام کے

اصول کی اشاعت کے لئے ظالم کے ظلم کی پوری طاقت سے مدافعت کرتی تھی۔ اور جود دارانہ کرتی تھی۔ مگر جس نے کفار کی فولادی تلواروں کے منہ پھیر دیئے تھے۔

کیا واقعات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام نے عدم تشدد کو عملی طور پر پایۂ تکمیل تک پہنچایا؟ غیر متعصب اور غیر جانبدار ارباب بصیرت کے لئے میرا یہ فیصلہ کس قدر صحیح ہے کہ اسلام نے مصائب کی گود میں آنکھ کھولی، شدائد کے گہوارہ میں پرورش پائی اور مخالفین کی تلوار کے سایہ میں بڑھ کر جوان ہوا۔

کفار نے اپنی بیسیوں مرتبہ کی شکست یابیوں کے بعد بھی عبرت نہ پکڑی کہ نقش اسلام کو تختۂ دنیا سے نیست و نابود کر دینے کی ہماری ہر کوشش چمنستان اسلام میں ایک نئی روشنی اور رنگ نئے اجالے کا اضافہ کر دیتی ہے جس کی سرسبز زمین خدا جانے کتنے شجر ثمر دار پیدا کر کے رہے گی۔ اسلام کا فسانہ عروج و رفعت اور داستان کامیابی و کامرانی کفار و مشرکین کی خوں فشانیوں اور ستم آرائیوں سے لکھی ہوئی ہے۔

مخالفین ہدیٰ کی ریشہ دوانیاں خود ان کے کفر و شرک کے پاؤں کے لئے ایسی گراں بار زنجیریں بن گئیں جنہوں نے آہستہ آہستہ انہیں اس طرح پورے طور پر جکڑ لیا۔ اور دین محمدی کی روز افزوں ترقی کو ...

میں مخالفت کے زور سے اڑکانے کی بجائے خود وہ آوازِ حق کی صدائے باز گشت بن گئے۔ باطل پرستوں کی شر انگیزیوں کے پڑاوہ میں پک کر تیار ہونے والی اینٹوں نے ہی اسلام کے قصر کی تعمیر میں ایک غیر فانی حصہ لینا شروع کر دیا۔ اور مستقبل سے بے خبر کفار کی تباہ کار کوششوں نے اسلام کی تاریخ تبلیغ و اشاعت میں ایک شاندار باب کا اضافہ کر دیا۔

وہ غنچہ ناشگفتہ جسے پاؤں تلے مسل دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک ایسا خوشبودار پھول بن کر مہکا کہ اس کی پنکھڑیوں کی رنگینی و رعنائی اور تازگی و لطافت تشنہ کام رنگ و بو بھونروں کو اپنے طواف کے لیے چمنستانِ جہاں کے ہر گوشہ سے کھینچ لائی۔

اس فقید المثال کامیابی اور کامرانی کی وجہ صرف یہ ہے کہ حقانیت و صداقت کی پشت پر ہمیشہ یزدانی طاقتیں اور روحانی قوتیں کارفرما ہوتی ہیں اور ضمیر دارانِ پیغام خداوندی باوجود اپنی بے کسیوں اور لاچاریوں کے اپنی دستگیری کے لئے وہ غیبی ہاتھ دیکھتے ہیں جس کی سخت گیر گرفت دنیا کی بڑی سے بڑی اور متشدد سے متشدد طاقت کو بھی ایک لمحہ میں زیر کر سکتی ہے۔

نا۔ بہر حال نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلمت کدۂ عرب میں پہلے پہل اسلام کی نورانی شمع روشن کی اور ایک قبیلہ۔ ایک قوم۔ ایک ملک اور ایک جزیرہ ہی کو نہیں بلکہ تمام دنیا کو مشرق و مغرب کو جنوب و شمال کو اس نورانی شمع

کے گرد جمع ہونے کی دعوت دی۔

اسلام آیا اور ایسی صحیح مؤثر اور زندگی بخش تعلیم لے کر آیا جس سے جزیرۃ العرب میں بسنے والے جاہل اور نادار باشندوں اور افریقہ کے رہنے والے حبشیوں کو صرف انسان ہی نہیں بلکہ انسان گر بنا دیا۔ اور ان کے سینوں میں علم و عقل اور حق و صداقت کی ایسی شمعیں روشن کیں کہ قیامت تک آنے والی نسلیں انہی کے نور سے اپنی زندگی کے کاروانوں کو ترتیب دیتی رہیں گی۔

اسلام کی دعوت توحید و خدا پرستی اس معنی میں مذہبی عقیدہ نہ تھی۔ جس طرح دوسرے مذہبی عقائد کی دعوت ہوا کرتی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک عالمگیر انقلاب کی دعوت تھی جس کی ضرب بالادست ان طبقوں پر پڑتی تھی جنہوں نے مذہبی رنگ یا سیاسی رنگ میں یا معاشی رنگ میں عام لوگوں کو اپنا بندہ بنا لیا تھا۔

اسی لئے جب محمد رسول اللہ نے لا الہ الا اللہ کی آواز بلند کی تو یہ سب طبقے فوراً مقابلہ میں آکھڑے ہوئے۔ اور تمام فتنہ اندوزی کرنے والے مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔

اسلام اس انقلاب کے لئے کسی ایک گروہ یا قوم کو نہیں، بلکہ تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہے۔ وہ ان ظالم طبقوں اور ناجائز انتفاع کرنیوالے

گروہوں اور بادشاہوں اور رئیسوں کو بھی پکارتا ہے کہ آؤ اس بہترین نظام کے اندر رہنا قبول کرو جو تمہارے خالق نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے۔

اسلام کی منزلِ مقصود

اسلام کی آخری منزلِ مقصود عالمگیر انقلاب ہے۔ اور جو انقلابی ملک قومیت کی بجائے انسانیت کی فلاح کا اصول لے کر اٹھا ہے۔ وہ اپنے مطمح نظر کو کبھی ایک ملک یا ایک قوم کے دائرہ میں محدود نہیں کر سکتا وہ مجبور ہے کہ عالمگیر انقلاب کو اپنا مطمح بنائے حق و عدل جغرافیائی حدود کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ یہ وہ نظریہ تھا جس پر مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ آپ برابر اپنی طاقت کو آگے بڑھاتے رہے۔ اور جس طاقت نے بھی اس کی مزاحمت کی اس کا مقابلہ کیا گیا۔ اس مسلک سے پہلے عرب زیر نگیں کیا گیا۔ اس کے بعد اپنے اطراف کے ممالک کو اور سلاطین کو اپنے اصول و مسلک کی دعوت دی۔ زیادہ قوت حاصل کرتے ہی آپ نے رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا۔ خاصل آپ کے بعد روم۔ ایران۔ مصر۔ شام وغیرہ اسلامی جھنڈے کے تلے جمع ہو گئے۔ اور اسلام کو دوسرے ملکوں تک پہنچا دیا۔

(ڈاکٹر ڈریپر صاحب انگریز مصنف کتاب معرکہ مذہب و سائنس۔ اس کتاب کے ۳۴م پر لکھتے ہیں کہ فتح ! اور یہ بھی بیت المقدس کی ایسائیت کے پایہ تخت کی کس طرح ممکن تھا کہ لوگ اس واقعہ کو اسلام کے غلبہ اور مسیحیت کی شکست

سے تعبیر نہ کریں۔ دونوں مذاہب میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو سچا سمجھ کر اس یقین کے ساتھ کہ فتح سچائی کو ہوگی، ایک دوسرے کا مقابلہ کیا تھا۔ اور فیصلہ خدا پر چھوڑا تھا، خدا نے فتح اسلام کو عطا کی اور فتح کا تمغہ بیت المقدس کی شکل میں مسلمانوں کو دیا۔

آگے صفحہ ۴۴ پر مصنف کتاب ہذا رقمطراز ہیں۔ کہ یورپ کے مسیحی مصنفین نے ہر مضمون پر قلم اٹھاتے وقت خواہ اس کا موضوع تاریخ ہو یا مذہب یا سائنس، جب اپنے فتحمند مخالفین کا ذکر کیا ہے تو اسی طرح زہر اگلا ہے۔ ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ جس چیز میں وہ کوئی منقصت کا پہلو نہ نکال سکیں اسے چھپائیں۔ اور جس چیز کو چھپا نہ سکتے ہوں اس کی تنقیص کریں۔

موصوف لکھتے ہیں کہ قلت گنجائش اور نیز اس کتاب کا موضوع ہم کو اجازت نہیں دیتا کہ جس طرح فتح بیت المقدس کا ذکر بہ تفصیل کیا ہے اسی طرح پوری وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کی دوسری فتوحات کے واقعات لکھیں جن کی بدولت آگے چل کر ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم ہوگئی جو جغرافیائی وسعت میں اسکندر کی سلطنت بلکہ دولت روما الکبریٰ پر بھی بمراتب فوقیت لے گئی، لیکن اس مضمون پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہوئے ہم اس قدر کہنا بے موقع نہیں سمجھتے، کہ عیسائیت پر جو طمانچہ پڑا تھا مجوسیت نے اس سے بھی زور کا تھپیڑ کھایا۔

(آگے صفحہ ۱۳۵ پر لکھتے ہیں کہ "غرض ایک طرف تو فغفور چین اپنے پایہ تخت پیکن سے مدینہ میں اپنا سفیر بھیج کر خلیفۃ المسلمین سے التجائے صلح کر رہا تھا اور دوسری طرف علم نبوی دریائے انڈس کے کناروں پہ لہرا رہا تھا۔")

یہی ڈاکٹر صاحب صفحہ ۱۳۸ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "(جب ہم دنیا کے مذاہب کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سرعت و وسعت اشاعت میں کوئی مذہب اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اسلام کوہ الطائی سے لے کر بحر اوقیانوس اور وسط ایشیاء سے لے کر افریقہ کی مغربی حدود تک کوس لمن الملک بجا رہا تھا۔)

آگے صفحہ ۱۴۲ میں تحریر کرتے ہیں کہ "دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور مذہبی سلطنت دفعتہً پردہ عدم سے نکل کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی تھی۔ اس سلطنت کا ایک سرا بحر اوقیانوس پر تھا تو دوسرا دیوار چین پر۔ ایک حد بحیرہ خزر کے کنارے سے ملتی تھی تو دوسری بحر ہند کے ساحل سے۔ اس پر بھی ایک لحاظ سے یہ سلطنت اپنے منتہائے عروج پر نہ پہنچی تھی۔ اس لئے کہ ایک دن وہ آنے والا تھا جب وہ قیاصرہ کے جانشینوں کو ان کے دارالحکومت سے نکال کر اور جزیرہ نمائے یونان پر اپنا پھریرا اڑا کر ایک طرف تو یورپ کے قبضہ کے لئے اس براعظم کے بیچوں بیچ عیسائیت پر حملہ کرنے والی تھی۔ اور دوسری طرف افریقہ کے آتش خیز صحراؤں اور وبا انگیز جنگلوں میں

اپنے مواحدانہ عقائد کی تلقین کرتی ہوئی ساحل بحر روم سے خط استوا کے پرلے سرے تک نقارہ انا ولا غیری بجا لانے والی تھی۔"

پھر ڈاکٹر موصوف صفحہ ۱۵۳ میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک ایسی دنیا میں جہاں چاروں طرف بت ہی بت پوج رہے تھے عربوں کی تلوار خدائے ذوالجلال کی توحید کی حمایت میں چمکی اور تعدد کو مٹا کر رہی۔"

مسئلہ تقدیر کا ذکر

اس کامیابی کا سہرا تقدیر کے اس مسئلہ کے سر پر رہا جس کی تلقین قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے۔ "کوئی شخص اپنی مقدر کو ٹال نہیں سکتا۔ تقدیر کی ساعت نہ گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے، اگر ہم بروج مشیدہ میں بھی محفوظ ہوں تو موت سے نہیں بچ سکتے۔ خدا نے ہر شخص کی موت کا مقام ازل سے مقرر کر رکھا ہے۔ ...... اس مہیب عقیدہ نے مسلمانوں کو ان کارہائے نمایاں کے لئے تیار کر دیا جو بظاہر انسانی کوشش کی رسائی سے باہر تھے لیکن جن کو عرب مسلمانوں نے انجام دے کر دکھایا۔ اسی عقیدے نے مایوسی کو مبدل برضا و تسلیم کر کے انسان کو امید سے مستغنی ہونا سکھا دیا۔ عربوں کی ایک مثل تھی کہ مایوسی حر ہے اور امید عبد صفحہ ۱۵۴ .....

اسلام اور سیاست

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام سیاست سے خالی ہے۔ ان کی آنکھیں کھل

جانی چاہئیں۔ اگر اسلام میں سیاست نہ ہوتی تو اسلام قیصر اور کسریٰ جیسی منظم سلطنتوں کو جو ہزاروں برسوں سے بڑی شان و شوکت سے قائم چلی آرہی تھیں جڑ سے نہ اکھیڑ پھینکتا اور نہ تمام دنیا کی کایا پلٹ کر سکتا۔ کیا یہ سب کچھ سیاست کے بغیر ہی ہو گیا تھا پس جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ اسلام کی حقیقت سے بالکل نا آشنا ہیں۔ بس ان کو اس مسئلہ میں رائے دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کش مکش حق و باطل کے طویل ترین دور میں شیطان کے آلہ کار باطل پرست انسانوں نے ایسی کوئی گمراہی اور کوئی غلاظت چھوڑی نہیں ہے جس کو اپنے نجس دماغوں سے باہر نہ نکال پھینکا ہو۔ اور اب شاید خود شیطانی دماغ سے کسی نئی تراش خراش کے ساتھ وہی پرانی شرارتیں اور جہالتیں سر اٹھاتی رہتی ہیں۔

موجودہ دور کے تجربہ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ اس دور کے مسائل بھی وہی ہیں۔ جو گزشتہ دوروں کے تھے۔ ان میں بنیادی کوئی فرق نہیں ہے قلت و کثرت، تنگی و وسعت اور شکل صورت کے لحاظ سے فرق ضرور ہے لیکن یہ کوئی ایسی شے نہیں ہے۔ جو مسائل کی حقیقت ادیان کی اساس میں فرق پیدا کر دے۔ وہی پرانی سڑی ہوئی شراب نئے نئے پیالوں میں لے کر لوگ آگے بڑھے۔ اور پیالوں کی تراش خراش، رنگ اور روپ چمک

دمک دکھا کر عوام کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ ان پیالوں میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ بالکل تازہ حال ہے۔

چودہ سو سال پہلے انسانی زندگی جن الجھنوں اور گمراہیوں میں گرفتار تھی۔ اس کو سامنے رکھ کر موجودہ دور کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ اس عہدِ تاریک میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ شرک، توہم پرستی، بت پرستی اور دیگر مظاہر شرک اس وقت بھی موجود تھے اور آج بھی کچھ مزید وسعت کے ساتھ موجود ہیں۔ خدا کا انکار اس وقت بھی تھا اور آج تو ایک طاقت ور تحریک اسی بنیاد پر چل رہی ہے۔ لوٹ مار، قتل و غارت، جنگ و جدال، بدامنی و بے چینی، معاشی لوٹ گھسوٹ اور عوام کا ناجائز استحصال اس وقت تھا اور آج بھی ہے۔ اقتدار کی جنگ اور نسلی و قومی غرور جب بھی تھا اور اب بھی ہے۔

اخلاقی قدروں کی پامالی، بے حیائی و برہنگی، صنفی انارکی اور جنسی بحران اس زمانہ میں بھی تھا اور اس زمانہ میں بھی۔ دکھ درد کی ماری ہوئی دنیا لب گور اس وقت بھی تھی اور اب بھی ہے۔ انسان کی عقل اس دور کے علاج سے عاجز اس دور میں بھی تھی اور اس دور میں بھی ہے۔ آخر وہ کونسا نیا مسئلہ اور وہ کونسی نئی پیچیدگی ہے جو اس زمانے سے مخصوص ہو۔ ایسی کوئی گمراہی بتائی جا سکتی ہے جو پہلے موجود نہ ہو اور اب پیدا ہو گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی خرابی، کوئی برائی، کوئی پیچیدگی اور کوئی گمراہی نئی

نہیں ہے۔ اس لئے کہ انسان نیا نہیں ہے، اس کی فطرت نئی نہیں ہے تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی رہتی ہے اور دُہرا رہی ہے۔ عمارت کی بنیادیں وہی ہیں نقشے ذرا مختلف ہیں۔ تصور کے خاکے وہی ہیں۔ رنگ کچھ بدلے ہوئے ہیں۔ تباہی و بربادی وہی ہے، تباہی لانے والے آلات کچھ اور ہیں۔ نام کچھ اور رکھ دئے ہیں۔

عالمی مشکلات کا دورِ ثانی

(ہمارا موجودہ زمانہ عالمی مشکلات کا دورِ ثانی ہے۔ اس وقت جو بھی مشکلات اور مفاسد تمام دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان کا اصل منبع اور مرکز یورپ کا ملک ہے۔ اور یہ تمام مشکلات مادہ پرستی اور دولادینی نظریوں سیکولرازم و اشتراکیت کے درخت کی پیداوار ہیں۔)

اس کی ابتدا اس طرح ہوئی۔ کہ تیرھویں صدی عیسوی سے قبل یورپ میں فی الجملہ مذہبیت تھی۔ حکومتیں مذہب پرست اور ان کے بادشاہ مذہب کے محافظ ہوتے تھے۔ لیکن تیرھویں صدی سے یورپ اس ذہنی بیداری اور فکری سوجھ بوجھ کی زد میں آچکا تھا جس کا اختتام انیسویں صدی کے ختم اور بیسویں صدی کے آغاز پر ہوا۔

آیندہ بحث کے سمجھنے کے لئے ایک تاریخی اور علمی شہادت کا یہاں بطور تمہید کے بیان ضروری ہے۔

جو دین یا مذہب خدا کی طرف سے کسی قوم کو کسی مدت تک دیا گیا۔ اس مدت تک اس میں انقلابی روح ودیعت کر دی گئی تھی۔ تاکہ اس کی بنیادوں پر اس مدت میں نظام حیات بنایا جا سکے۔ اس سے یہ بات خود بخود متفرع ہوتی ہے کہ جب اس مذہب کے باقی رہنے کی مدت اور زمانہ ختم ہو جائے گا۔ یا مدت کے اندر ہی اس کے معتقدات کو بدل دیا جائے گا۔ تو ایسا مذہب انقلابات زمانے کا ساتھ نہیں دے سکیگا۔ آگے یہ بحث مدلل آرہی ہے کہ اسلام موجودہ کے علاوہ جس قدر بھی مذاہب آسمانی تھے وہ محدود زمانوں کے لئے تھے۔ لہذا ان کو باوجود اس کے کہ وہ اپنی پوری شکل میں موجود بھی نہ تھے کھینچ تان کر ہر انقلاب زمانی کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا سعی لاحاصل ہے۔ بخلاف الاسلام کے کہ اس میں بعثت محمدی کے زمانہ سے ہر ایک زمانہ کے لئے روح انقلابی ودیعت کر دی گئی ہے۔ تاکہ اس کی بنیادوں پر ہر زمانہ میں بہترین نظام حکومت قائم ہو سکے۔ اور اس روح کو عام کرنے اور دوسروں تک پہنچانے میں سرگرم کار رہ سکے۔ تاکہ اسلامی حکومتیں پر انقلاب کے باوجود دنیا میں آسکیں۔ اگر ایسی روح اسلام میں ودیعت نہ رکھی جاتی تو اسلام کا عالمگیر ہونا اور ہر زمانہ کے لئے ہونا ایک فریب اور لغو ہو کر رہ جاتا۔

کیونکہ جس مذہب میں روح انقلابی نہ ہو اور وہ کسی ایک جماعت یا مخصوص قوم کا اجتماعی دین بن جائے۔ اور اس میں خود بدلنے اور دوسروں کو

بدلہ لینے کا جنون یا انقلابی جذبہ سر د پڑ جائے۔ اس وقت اس مذہب کے ہاتھ میں زمام اقتدار دے دینا دراصل قوم کے رجعت پسندوں کو حکومت سونپ دینا ہوتا ہے۔ اور رجعت پسند طبقوں کی حکومت ہرگز اس کے شر سے ہر قوم کو مامون رکھے۔

(پس اسلام کے عالمگیر ہونے اور ہمیشہ کے لئے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس میں شروع ہی سے ہی انقلابی روح رکھدی گئی ہے) جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا۔

اب ہم اصل بحث کو بیان کرتے ہیں (عیسائی پادریوں نے اپنے مذہبی معتقدات کو قدیم یونانی فلسفہ و حکمت کی بنیادوں پر قائم کر رکھا تھا اور ان پادریوں نے خدا کی حکومت کے نام پر دراصل پادریوں کی حکومتیں قائم کر رکھی تھیں اور ان پادریوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی اخلاقی تعلیمات کو تو فی الجملہ برقرار رکھا لیکن معاشی اور معاشرتی و سیاسی معاملات میں ان کی ہدایات کو مسخ کر کے ان میں اپنی رائے اور مرضی کو وہی مقام دیا جو فی الواقع حضرت مسیح کی تعلیمات کا ہونا چاہئے تھا۔ ان پادریوں نے یورپ کی سرکردگی میں جو نظام قائم کیا وہ حضرت مسیح کی بتائی ہوئی راہ سے کوسوں دور تھا۔ ان اسباب و حالات کے تحت رومن کیتھولک نظام میں خدا۔ اور یسوع کے نام پر حکم دیا جاتا تھا۔ جس کا بیشتر حصہ خود انہیں مذہب سازوں کا من گھڑت تھا چنانچہ ان حالات نے ایک حریت پسند گروہ کو (جو ہسپانیہ کی مسلم یونیورسٹیوں سے نکل کر یورپ میں داخل ہوئے تھے۔

جن کو ان مسلم یونیورسٹیوں نے سائنٹفک غور و فکر کے اصول دیئے جن کی روشنی میں من گھڑت اور بے سروپا عقائد کے سائے طویل اور ہلکے ہو کر اپنا اثر کھو بیٹھے) بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ اور اس گروہ نے رومن کیتھولک عقائد کو پارہ پارہ کر دیا یورپ میں ہسپانوی علوم کے اثر کو مشہور مورخ ایچ۔جی۔ویلز نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ان یونیورسٹیوں کی روشنی مسلم دنیا سے باہر بھی دور دور تک پھیل گئی۔ اور مشرق و مغرب کے طالب علم کھنچ کر وہاں جمع ہو گئے خاص طور پر عیسائی طلبہ ایک بہت بڑی تعداد میں وہاں موجود تھے۔ اس عرب فلسفہ کا اثر جو ہسپانیہ کے راستے پیرس، آکسفورڈ۔ شمالی اٹلی۔ اور مغربی یورپ پر پڑ رہا تھا" یقیناً قابل لحاظ ہے۔

عیسائیوں نے عربی علوم و فنون کے محض اس کے اوپری خول اور تحقیق و جستجو کے ان خارجی طریقوں کو قبول کیا تھا۔ جو اس پورے نظام اسلامی فکر کا محض ایک جزو تھے۔ انہوں نے اس مکمل دین کے ساتھ (جاہلانہ عصبیت اور وطن پرستی اور قوم پرستی کے باعث) سوتیلی ماں کا سلوک کیا جو دراصل اس علمی بیداری کا حقیقی سبب اور منبع تھا۔

تاہم ہسپانیہ بڑی تیزی تیزی سے یورپی ذہن پر چھاتا چلا گیا۔ اور اس نے اہل یورپ کے خیالات میں انقلاب برپا کر دیا۔ ان پادریوں کی بے اصولی کے

خلاف پُرزور آوازیں اُٹھائی گئیں۔ یہاں تک کہ حریت پسندوں کے ہیروؤں کو آگ کے شعلوں کی نذر ہونا پڑا۔ مگر ان شعلوں سے کئی ایک ہیرو اور پیدا ہوئے جنہوں نے ان عقائد کے خلاف ناقابلِ شکست جدوجہد کا آغاز کیا۔ اپنے اپنے مسلک کی حفاظت و حمایت میں طویل اور خون ریز لڑائیاں ہوئیں۔ اس تحریک کا ایک یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ چرچ (مذہب) اور ریاست کی ہم آہنگی ختم ہوگئی۔ روم پاپائیت کو مشرق و مغرب پر جو اقتدار حاصل تھا، اور خدائی حکومت کے نام پر پادریوں کی حکومت قائم تھی، اس کی دیواریں پروٹسٹنٹ تحریک سے متاثر علاقوں میں ڈھ چکی تھیں۔ لیکن جن علاقوں میں رومن کیتھولک کا سکہ چلتا تھا وہاں بھی اس سکے کو کھوٹا قرار دے کر قیمت گرا دی گئی۔

مگر زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ مذہبی پیشواؤں نے اپنے اقتدار کو ضائع ہوتا دیکھ کر حکمرانوں اور فرمانرواؤں کے زیرِ سایہ پھر سے عوام کو منتظم کرنا شروع کیا۔ ہر جگہ پادشاہوں کی حمایت شروع کر دی۔ بادشاہوں کو بھی ان کی حمایت کی اشد ضرورت تھی۔ چنانچہ اب نئی قسم کی ملی بھگت چل پڑی۔ اہلِ مذہب نے کہا کہ بادشاہوں کا اقتدار خدا کا عطا کردہ ہے۔ ان کی اطاعت کرو۔ حکمرانوں سے غلطی نہیں ہوسکتی۔ اور بھی اس قسم کی کئی ایک باتیں کہیں۔ تاکہ عوام کو ہموار کیا جائے۔ اور بادشاہ حسب خواہش حکومت کر سکیں۔

ختم سلطۂ مقتدرہ

اسلام نے کہا :-

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

خالق کی معصیت میں مخلوق میں سے کسی کی بھی اطاعت کرنی جائز نہیں

قرآن نے کہا :-

من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکافرون ... ہم الفاسقون ... ہم الظالمون۔

جو لوگ اللہ تعالے کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی کافر ہیں۔ وہ فاسق ہیں۔ وہی ظالم ہیں۔

اور کہا :-

ان الحکم الا للہ۔

حکم اللہ ہی کا ہے۔

بہرحال اس کے جواب میں بادشاہوں نے بھی مذہب کی خوب تعمیل کرنا شروع کی۔ اپنے کو حامی دین کا لقب دیا۔ پوپ کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ تاج پوشی کی رسم میں اپنے ملک کے لاٹ پادری یا استقف اعظم سے عصا یا انگشتری لیتے اور اس کے آگے تعہد کرنے کا جو سلسلہ پوپ اقتدار کے وقت سے چلا آتا تھا ظاہری شکل میں اسی طرح برقرار رکھا۔

اس طرح نام نہاد مذہبیت ایک دوسری شکل میں دوبارہ حکمران ہو گئی۔ اور یہ گٹھ جوڑ عرصہ تک رہا۔ بالآخر اس بندھن کو توڑنے اور عوام کو ان جبر و اختیا

سے نکلنے کے لئے اب پہلے سے زیادہ باغیانہ جذبات پرورش پانے لگے۔

آخر فیصلہ یہ ٹھہرا کہ مذہب کو کسی شکل میں بھی باقی نہ رہنے دیا جائے، اور اس کے اثر کو ختم کرنے کے لئے سرے سے ان بنیادی عقائد و نظریات ہی پر ضرب کاری لگائی جائے جن پر نہ صرف مذہب عیسوی بلکہ ہر مذہب کا دارومدار ہے۔ یعنے خدا۔ وحی۔ رسالت۔ آخرت اور فرشتوں کا وجود اور ایسے ہی دوسری چیزیں یہ رجحان اس وقت اور زیادہ تیز ہو گیا جب ان کے مذہبی پیشواؤں نے نئے نئے علوم و فنون اور مفید انسانیت ایجادوں کی بھی مخالفت شروع کر دی مخالفت کا سبب یہ تھا کہ عوام ان سائنس دانوں، موجدوں، مفکرین اور مدبّروں کی طرف پھر جائیں گے، اور ان سے کٹ کر حریّت پسندوں سے مل جائیں گے اور ان علوم و فنون اور ایجادوں اور اختراعات کے عام ہو جانے سے وہ کمزور نظریات اور اصول جن کے بل بوتے پر انھیں اپنے اقتدار کی عمارت تعمیر کر رکھی تھیں ایک ایک کر کے ٹوٹ جائیں گے۔ جب بنیادیں گریں تو عمارت کا گر جانا یقینی ہے۔ یہ خطرہ ان غیر عقلی اور بعید از قیاس عقائد کے علمبرداروں کو بجا محسوس ہو رہا تھا۔

لیکن اس کا صحیح حل یہ تھا کہ وہ اس "دینِ حق" الاسلام کی طرف رجوع کرتے، جو عقلی اور علمی اعتبار سے بھی مضبوط بنیادوں پر قائم تھا۔ اور تاریخی اور نقلی دلائل کے لحاظ اور حکمت کے لحاظ سے بھی پائیدار تھا۔ جس کے اندر بدسلے

ہوئے خارجی حالات کے ساز گار رہنے کی عظیم الشان خوبی تھی جو انسانی ذہن پر تالا جڑنے اور اس کی فکری قوتوں کو مفلوج کرنے کی بجائے ایجاد و اختراع اور ترقی کی صلاحیتوں کی گرہ کھول دیتا ہے۔ اور ہر زمانہ میں انسانی تمدن کے ارتقاء کا سبب بنتا ہے۔ روحانی اور اخلاقی ترقی کا ایسا پروگرام رکھتا ہے جو مادی حالات کی ترقی کے ساتھ تناسب راست کے اصول پر قائم ہے۔

لیکن مذہبی رقابت، جاہانہ عصبیت، وطن پرستی اور قوم پرستی کے باعث مسخ شدہ عیسائیت کے علمبردار اس نظام حق کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ وہ اپنی تنگ نظری پر برابر اڑے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم و فنون اور معلوماتِ عامہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہب کے خلاف ردِ عمل بڑھتا چلا گیا۔ اور اس کے ایک ایک نقش کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کی سعی ہونے لگی۔

ان مفکرین مخالفین مذہب نے مذہب کے خلاف کائنات اور انسان کی پیدائش اور ارتقا کی جو نئی نئی توجیہیں پیش کی تھیں وہ اس بات کا نتیجہ نہیں کہ مذہب کے حامل پیشوا کائنات نے اس پر حجاب تھا کہ حقیقت حال نہ دیکھ سکے تھے۔ مگر ان سائنس دانوں نے آسمان اور زمین کے پردے ہٹا کر ساری حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ متذکرہ ذیل خصوصیات کے حامل ہیں۔

اور مخالف مذہب تحقیقات کا مدار بھی اس قسم کی جذباتیت اور اندھی

دشمنی پر تھا جس قسم کے جذباتیت اور اندھے پن کا مظاہرہ نادان مذہبی پیشواؤں نے علم و فکر کے خلاف کیا تھا۔

۲۔ نئے لے خدا نظریات میں مذہب کی تمام قدروں کو یکساں طور پر رد کر کے کائنات کے ہر واقعہ کی ایک توجیہ پیش کرنے کی جو کوشش کی گئی وہ سب کی سب منفی حیثیت رکھتی تھیں مثبت طریقے پر ان میں کوئی بات نہیں کہی گئیں

۳۔ تمام بے خدا نظریات میں اس سے زیادہ الجھاؤ، تضاد بیان، طول کلام پایا جاتا ہے۔ جتنا خود مسخ شدہ عیسائی خیالات میں ہے۔

۴۔ تمام مخالف مذہب نظریات کے علمبردار آزاد خیالی اور استقرائی انداز تحقیق کا دعوےٰ کرنے کے باوجود اپنے جذبات نفس، قومی خواہشات، سامراجی مقاصد اور کمزوروں کو لوٹنے اور دبانے کے اغراض سے مغلوب نظر آتے ہیں۔ اور ان کی خاطر علوم و فنون کی بنیادوں تک بدل کر رکھ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

۵۔ تمام مادہ پرست فکریں عیسائیت کے خلاف انتہائی شدید جذبات رکھتے ہوئے بھی دنیا کے ہر دوسرے مذہب کے مقابلہ میں اسے (محض قومی عصبیت کی وجہ سے) ایک برتر مذہب خیال کرتے ہیں۔ اور آنکھیں کھول کر دنیا کے دیگر خدا پرست تحریکوں کا مطالعہ کرنے کی بجائے عیسائی نظریات کو اسٹینڈرڈ قرار دے کر صرف انہی کی تردید کو کل جنس مذہب کی تردید کے لئے کافی سمجھتے

ہیں۔

علوم وفنون کے ان تمام سرچشموں کا مدار قطعاً سنجیدہ غور وفکر اور مبنی بر حقیقت باتوں پر نہیں۔ بلکہ ظن وقیاسات پر تھا۔ یہ لوگ خدا اور مذہب کا جب کہ انکار کر چکے تھے۔ لہذا یہ امر ضروری تھا کہ تکوین وتخلیق اور نظام کائنات کے متعلق متبادل اور خود ساختہ نظریات اور توجیہات پیش کریں پس انہوں نے جو باتیں بھی اس سلسلہ میں پیش کیں۔ وہ ثابت شدہ حقائق نہیں تھے۔ بلکہ محض اندازے تھے جن کا تجربہ سے غلط ہونا ممکن تھا۔ جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا۔

لہذا اگر ہم تنقیدی نشتر چلا کر ان کی اندرونی حالت کا جائزہ لیں۔ تو معلوم ہوگا کہ وہاں سوائے ایک خلا کے اور کچھ نہیں ہے۔

بلاشبہ یہ لوگ اپنی تحقیقات میں ایسے نقطہ پر پہنچ گئے تھے۔ کہ تحقیقاً خدا تعالیٰ اور دیگر معتقدات مذہبی پر ایمان لے آتے۔ اور سچے مذہب کی شناخت کر لیتے پھر اس کو قبول کرتے۔ مگر جذبات انگیز مخالفت کی وجہ سے ایک اندھی گلی کی طرف جو قدم اٹھ گئے تھے وہ اٹھتے ہی چلے گئے پھر واپس نہیں ہو سکے۔ قرآن نے کہا :۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوْرًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّوْرٍ۔	اور جن کو اللہ روشنی نہ دے۔ اس کے لئے کوئی روشنی نہیں ہے۔

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا یَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ۔

جو لوگ کافر ہوئے پھر وہ کفر میں زیادہ ہوئے اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ اور نہ جہنم کے سوا اور کسی راستہ کی طرف ان کی رہنمائی کریگا۔

بہرحال یہ تصورات انقلاب فرانس، جنگ آزادی۔ امریکہ اور انگلستان کے خوشگوار انقلاب کے بعد ساری مغربی دنیا پر چھا گئے۔ دھیرے دھیرے زندگی کے تمام شعبوں سے پادریوں ان کے خدا کے رہے سہے اقتدار کو نکال باہر کیا اور بحیثیت مجموعی پوری زندگی پر مادہ پرستی اور خدا بیزاری کا اقتدار قائم ہو گیا۔

مذہب کی مخالفت کے اس رجحان میں آگے چل کر انیسویں (19) صدی میں دو مثالیں ہو گئیں۔ ایک گروہ ان لوگوں کا تھا۔ کہ مذہب کو محض مغلوب اور محکوم بنالے پر اکتفا کرنا نہ چاہتے تھے۔ بلکہ انفرادی زندگی کے ایک ایک گوشے پر سے اس کے اثر کو زائل کر کے انسان کے دماغ کو خدا پرستی سے بالکل آزاد کر دینے کے خواہشمند تھے۔ ان کا منشا یہ تھا کہ مذہب کے خلاف ایک جارحانہ جنگ کی جائے۔ اور فرد اور سماج کو اس کے اثر سے آزاد کر کے مادہ پرستی اور اس کے ہمہ گیر تصور کے ماتحت کر دیا جائے۔ جب تک مذہب کا ایک شائبہ بھی باقی رہیگا۔ انسانی سماج کبھی صحت مند اور طاقتور نہیں ہو سکتا۔

یہ گروہ اشتراکیت کا اولین موجد ہے۔ یہاں سے اشتراکیت کی بنیاد پیدا ہوئی

دوسرا گروہ جو برسر اقتدار لوگوں سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اس کا رجحان یہ تھا کہ مذہب کو اقتدار کی گدی سے ہٹا دینے کے بعد رفتہ رفتہ اس کا دم خود ہی نکل جائیگا اب کسی سے سامنے کے حملے کی ضرورت نہیں رہی۔ مذہب کو محض افراد تک اور وہ بھی ان کی زندگی کے گھریلو معاملات تک محدود کر دینا کافی ہے۔ مذہب کو انسان اور انسان کے درمیان تعلقات کے کسی شعبے میں تو یقیناً حائل نہ ہونے دینا چاہیئے۔ البتہ انسان اور اس کے خالق کے درمیان اگر مذہب ایک کڑی کی حیثیت سے باقی رہتا ہے تو ہمارا کوئی حرج نہیں ہر شخص کو اپنے انفرادی۔۔ معاملات میں ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ اس لئے خدا اور مذہب کے معاملہ میں بھی وہ آزاد ہے۔ کہ چاہے تو اس سے تعلق رکھے۔ اور چاہے تو نہ رکھے۔ بلکہ اجتماعی نظام کے لادینیت کی بنیاد پر قائم ہو جانے کے بعد رفتہ رفتہ مذہب گھریلو زندگی میں بھی خودکشی کر کے خود ہی اپنا کام تمام کر لیگا۔ کیونکہ جب زندگی کے اہم مسائل اور عملی کاموں میں لوگ مذہب سے آزاد ہو جائیں گے۔ تو وہ ایک نہ ایک دن گھر کے اندر بھی اس کی افادیت سے انکار کر بیٹھیں گے۔

اس گروہ نے کہا کہ اگر ہم نے مذہب کے خلاف اپنی جارحانہ حرکات کا سلسلہ جاری رکھا تو اس کا لازمی نتیجہ اہل مذہب کی طرف سے ایک سخت ردعمل کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ اور ہم اسی غلطی کا ارتکاب کریں گے جس کا ارتکاب کر کے خود اہل مذہب نے اپنا تختہ کر دیا ہے۔

مذہب کو تجا لفا کا یہ نیا اور حکیمانہ طرزِ فکر اصطلاح میں سیکولرزم کہلاتا ہے۔

(اس تحریک کا آغاز ۱۸۴۶ء میں ہوا جس کی سربراہ کاسی جیکب ہولیک چارلس اور سر بریڈ لے وغیرہ کے ہاتھ میں تھی۔ مادیت کے اوّل الذکر نقطۂ نظر کے مقابلہ میں ان لوگوں کے تصورات کو اس وقت کامیابی زبردست ہوئی۔ اور یہ بڑی تیزی سے سلسے مغرب یورپ اور امریکہ اور دنیا کے تمام علاقوں میں جہاں جہاں ان کا اقتدار قائم ہوا چھا گئے۔ الحاد و بیدینی کی یہ دونوں تحریکیں اس وقت ساری دنیا پر بلا واسطہ اور بالواسطہ پھیلی ہوئی ہیں جن کی وجہ سے دنیا میں اپنے اپنے مذہب کے ساتھ بدعقیدگی اور بے عقیدگی پھیلی ہوئی ہے)

سائنس کے غلط استعمال کا انجام

ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند

(سائنس درحقیقت ایک مؤثر آلہ اور قوت ہے جس کو حق اور باطل دونوں کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مگر جو سائنسدان از وجوہ مذکورہ بالا خدا کے اور مذہب کے بنیادی اصول سے منحرف تھے۔ انہوں نے سائنس وغیرہ کو اپنے مطالب کے لئے استعمال کیا) اور ان مادہ پرستوں کے ساتھ دنیا کی طاقتیں ہیں اور دنیا کا یہ دستور ہمیشہ سے رہا ہے کہ :-

ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند

یعنے اس کا فیصلہ مانا جاتا ہے جس کے ہاتھ میں طاقت ہو۔ طبعاً انسان اس کی

طرف مائل ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں دنیا کی دولت ہو اور قوت اور جاہ بھی ہو
اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔

رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ
وَمَلَاَهٗ - ۱۱

یعنے موسیٰ علیہ السلام نے کہا رب ہمارے تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں آرائش اور ہر طرح کا مال دیا ہے۔ اے رب ہمارے! یہاں تک کہ انہوں نے تیرے راستہ سے گمراہ کر دیا اے رب ہمارے ان کے مالوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے پس یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔ ایسے ایمان کی ان سے امید نہ تھی۔ مگر جب کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہتے اب ہم مانیں گے۔ اس پر عذاب تھم جاتا۔ آخر فیصلہ نہ ہوتا اس واسطے مانگا یہ جھوٹا ایمان نہ لاویں دل سے کہ حضرت رہیں تا عذاب پڑے چکے اور فیصلہ ہو (شاہ عبدالقادر) اس کا مطلب یہ ہے کہ [illegible] لیا جائے۔ کہ حق خود معیار ثروت ہے۔ اور دولت و قوت [illegible] ہے۔ اور پھر حق کی ترویج اور دنیا میں اس کو قائم کرنے کے لئے سائنس اور دیگر ذرائع کو کام میں لایا جائے تاکہ دنیا میں امن و سلامتی قائم ہو۔

دوسری جگہ بحث کی گئی ہے کہ کائنات کے آثار کا مشاہدہ اور ان کے اسرار کی تحقیقات وغیرہ وغیرہ کوئی چیز بھی مذاہب آسمانی کی ضد نہیں ہے۔ علم تحقیقات [illegible]

ایجادات اور ارتقائی حالات حق اور باطل میں اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ مادی ذرائع اور علمی ترقیات کی ضرورت جتنی باطل کو ہے۔ اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ حق کو بھی ہے اور شیطان بھی ان کا اتنا ہی محتاج ہے جتنا ایک کلمۂ حق کا داعی ہے۔

شجرِ خبیث کی پیدائش

یہ وہ فلسفہ اور سائنس کے مجموعے کا درخت ہیں جس نے مغرب میں نئی تہذیب کو پیدا کیا اور پھر یہی تہذیب باقی دنیا میں پھیلی ہے۔۔ جو کچھ آج کل ساری دنیا میں فساد و بگاڑ پھیلا ہوا ہے۔ یہ اس درخت کی پھیلی ہوئیں شاخوں کے پھل ہیں۔ یہ خدا کے وجود سے انکار یا اس کے کائنات کے نظام میں غیر ذمہ دار ہونے کے نظریہ پر پہلے مغرب میں بویا گیا تھا۔ یہ وہ فلسفہ و سائنس ہے جس نے مغربی تہذیب کو پیدا کیا۔ اس میں نہ کسی علیم و قدیر خدا کے خوف کی گنجائش ہے۔ نہ نبوت اور وحی نہ الہام کی ہدایت کا کوئی وزن نہ موت کے بعد کسی دوسری زندگی کا تصور، نہ حیات دنیا کے حساب و کتاب کا کوئی کھٹکا نہ انسان کی ذاتی ذمہ داری کا کوئی سوال نہ زندگی کے حیوانی مقاصد سے بالاتر کسی مقصد اور کسی نصب العین کا کوئی امکان یہ خالص مادی تہذیب ہے۔ اس کا پورا نظام، خدا ترسی، راست روی، صداقت پسندی، حق جوئی اخلاق، دیانت، امانت، نیکی، حیلو، پرہیزگاری اور پاکیزگی کے ان تصورات سے خالی ہے۔ جن پر مذہبی تہذیب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس کا نظریہ مذہب کے طریق کی بالکل ضد ہے۔ اس کا راستہ اس راستہ کے عین مخالف سمت میں ہے۔

جو مذہب نے اختیار کیا ہے۔ مذہب جن چیزوں پر انسانی اخلاق یا تمدن کی بنا رکھتا ہے۔ ان کو یہ تہذیب بیخ و بن سے اکھاڑ رہی ہے۔ اور یہ تہذیب جن بنیادوں پر انفرادی سیرت اور اجتماعی نظام کی عمارت قائم کرتی ہے۔ ان پر مذہب کی عمارت ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتی گویا مذہب اور مغربی تہذیب دو ایسی کشتیاں ہیں جو بالکل مخالف سمتوں میں سفر کر رہی ہیں جو شخص ان میں سے کسی ایک پر سوار ہوگا۔ لامحالہ دوسری کشتی کو چھوڑنا پڑے گا۔ اور جو بیک وقت ان دونوں پر سوار ہوگا۔ اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔

مغربی تہذیب نے جس فلسفہ اور سائنس کی آغوش میں پرورش پائی ہے وہ پانچ چھ سو سال سے دہریت، الحاد، لامذہبیت اور مادہ پرستی کی طرف جا رہی ہے۔ وہ جس تاریخ پیدا ہوئی ہے۔ اسی تاریخ سے مذہب کے ساتھ اس کی لڑائی شروع ہو گئی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ کہ خلاف عقل و حکمت کی لڑائی ہی نے اس تہذیب کو پیدا کیا حالانکہ صحیح فلسفہ و سائنس اور حکمت کی تحقیقات اور کائنات سے آثار کا مشاہدہ اور ان سے نتائج کا اخذ کرنا کوئی چیز بھی مذہب کی ضد و مخالف نہیں ہو سکتی۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ نشاۃ جدیدہ کے دور میں جب یورپ کی نئی علمی تحریک رونما ہوئی تو اس تحریک کا مقابلہ ان مذہبی عیسائیوں سے ہوا جنہوں نے اپنے مذہبی معتقدات کو قدیم یونانی فلسفہ و حکمت کی بنیادوں پر قائم کر رکھا تھا۔ ظاہر ہے۔ کہ جس مذہب کی بنیاد ایسے فلسفہ اور حکمت و تجربہ پر رکھی جائے جو تغیر پذیر چیزیں ہوں۔ ایسا مذہب بھی

ارتقائی تحریکوں کے مقابلہ میں کب ٹھہر سکتا ہے۔ پس جب ان مذہبی لوگوں نے اس نئی علمی تحریک کو قوت سے روکنا چاہا۔ تو یہ تحریک جو ایک حقیقی بیداری سے پیدا ہوئی۔ تشدد سے دینے کی بجائے اور بڑھتی چلی گئی حتیٰ کہ حریت فکر کے سیلاب نے مذہبی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد نفس مذہب (خواہ وہ کوئی مذہب ہو) اس تحریک کا مدمقابل قرار دیا گیا۔ اور نئی تحریک کے علمبرداروں نے لازم سمجھا۔ کہ خدا یا کسی فوق الطبعیت ہستی کو فرض کئے بغیر کائنات کے معمے کو حل کیا جائے۔ اور ہر اس طریقہ کو خلاف حکمت قرار دیا جائے جس میں خدا کا وجود فرض کر کے مسائل کائنات پر نظر کی گئی ہو۔ بہرحال خدا، روح، روحانیت اور فوق الطبعیت کے خلاف ایک تعصب پیدا ہو گیا جو عقل و استدلال کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ سراسر جذبات کی برانگیختگی کا نتیجہ تھا۔ بلکہ وہ خدا سے اس لئے بیزار تھے۔ کہ وہ ان کے اور ان کی آزادی خیال کے دشمنوں کا معبود تھا۔ ورنہ وہ خدا سے اس لئے بیزار نہ کرتے تھے۔ کہ دلائل و براہین سے اس کا عدم وجود اور عدم وجوب ثابت ہو گیا تھا۔ بعد کی پانچ صدیوں میں ان کی عقل و فکر اور ان کی علمی جدوجہد نے جتنا کام کیا اس کی بنیادیں یہی غیر عقلی جذبہ تھا۔

غرضیکہ وہ تخم جو مغرب کی نشاۃ ثانیہ کے زمانہ میں بویا گیا تھا۔ چند صدیوں کے اندر تمدن و تہذیب کا ایک عظیم الشان شجر بن کر اٹھا ہے۔ جس کے پھل میٹھے مگر زہر آلود ہیں جس کے پھول خوشنما مگر خار دار ہیں جس کی شاخیں بہار کا منظر پیش کرتی ہیں مگر

ایسی زہریلی ہوا اگل رہی ہیں جو نظر نہیں آتی اور اندر ہی اندر نوعِ بشری کے خون کو مسموم کیے جا رہی ہے۔

اہلِ مغرب کی اس شجر سے بیزاری

لیکن اب اہلِ مغرب بھی اس شجر سے جس کو اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا بیزار ہیں۔ اس نے زندگی کے ہر شعبہ میں ایسی الجھنیں اور پریشانیاں پیدا کر دی ہیں جن کو حل کرنے میں ہر کوشش بہت سی الجھنیں پیدا کر دیتی ہے جس شاخ کو کاٹتے ہیں اس کی بہت سی خاردار شاخیں نکل آتی ہیں۔ سرمایہ داری پر تیشہ چلایا تو اشتراکیت نمودار ہو گئی جمہوریت پر ضرب لگائی تو ڈکٹیٹر شپ پھوٹ نکلی اجتماعی مشکلات کو حل کرنا چاہا تو نسوانیت اور برتھ کنٹرول کا ظہور ہوا اخلاقی مفاسد کا علاج کرنے کے لیے قوانین سے کام لینے کی کوشش کی تو قانون شکنی اور جرائم پیشگی نے سر اٹھایا غرض فساد کا ایک لا انتہائی سلسلہ ہے جو تہذیب و تمدن کے اس درخت سے نکل رہا ہے۔ اور اس نے مغربی اور غیر مغربی زندگی کو از سر تا پا محض دا الالم کا ایک پھوڑا بنا دیا ہے جس کی ہر رگ میں ٹیس اور ہر ریشہ میں دکھن ہے مغربی قومیں درد سے بے تاب ہو رہی ہیں۔ ان کے دل بے قرار ہیں۔ ان کی روحیں کسی امرت رس کے لیے تڑپ رہی ہیں۔ مگر انہیں خبر نہیں کہ امرت رس کہاں ہے۔ ان کی اکثریت ابھی تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ مصائب کا سرچشمہ اس درخت کی بعض شاخوں میں ہے۔ اس لیے وہ شاخیں کاٹنے میں اپنا وقت اور

محنتیں ضائع کر رہی ہیں۔ مگر نہیں سمجھتیں کہ خرابی جو کچھ بھی ہے اسی درخت کی جڑ میں ہے۔ اور اصل فاسد سے فرع صالح نکلنے کی اُمید رکھنا صرف خوش فہمی ہے۔ پس ان شاخوں کو کاٹنے کی بجائے جڑ پر کلہاڑا چلانا ضروری ہے۔ ورنہ جڑ سے پھر نت نئی شاخیں پھوٹتی رہیں گی۔ اور ان کا پھیلاؤ قابو سے باہر ہوتا جائے گا۔

مذہب کی تلاش

یہی وجہ ہے کہ مذہب کا انکار جیسے اب تک روشن خیالی کی دلیل سمجھا جاتا ہے اور ہر شخص صاحب نظر بننے کے لئے بزعم خویش مذہب کی تردید ضروری جانتا ہے۔ یورپ کے اعلیٰ طبقوں میں اسے اب کوربینی سے تعبیر کیا جا رہا ہے یورپ میں مذہب کی ضرورت کا آج کل اہل فکر کو شدید احساس ہو رہا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر انسانیت کو بچنا ہے تو اس کی یہی صورت ہے کہ وہ اپنے لئے کوئی مذہب تلاش کریں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مذہب وسیع ترین مفہوم انسانیت کا ہی حامل ہو سکتا ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی بیداری فرسودہ مذہب کی بیخ کنی سے شروع ہوئی۔ پھر اس نے مستبد بادشاہوں اور جاگیرداروں کو ختم کیا۔ اس کے بعد صنعت و حرفت کا دور دورہ ہوا۔ اور قومیتوں کا زمانہ آیا۔ اس سے سامراج پیدا ہوا۔ پھیلا اور پھولا۔ اب یہ سامراج بھی پھٹے

ہوئے کپڑوں کی طرح اُتارا جا رہا ہے۔

اب یورپ کا علم چار سُو سے لامکان کی وسعتوں کی طرف چل پڑا ہے اور اب اپنے عمل میں بھی مادیّت سے ماورا نصب العین ڈھونڈھ رہے ہیں۔ حاصل یہ نکلا کہ یورپی انقلاب آئندہ کسی عالم گیر انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ اور مادی انقلاب سے آگے بڑھ کر ایک نئے انقلاب کے لئے زمین ہموار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

امرت رس

مغربی قومیں جس امرت رس کی تلاش میں ہیں، وہ قرآن حکیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ ہی میں مل سکتا ہے یہی وہ مطلوب ہے جس کی طلب میں ان کی روحیں بیقرار ہیں یہی وہ امرت رس ہے جس کے وہ پیاسے ہیں یہی وہ شجر طیّب ہے جس کی اصل بھی صالح ہے اور شاخیں بھی صالح جس کے پھول خوشبودار بھی ہیں اور بے خار بھی جس کے پھل میٹھے بھی ہیں اور جاں بخش بھی۔ جس کی ہوا لطیف بھی ہے اور روح پرور بھی۔ یہاں ان کو حکمت ملے گی۔ یہاں ان کو فکر و نظر کے لئے ایک صحیح نقطہ کا آغاز ملیگا۔ یہاں ان کو وہ علم ملیگا جو انسانی سیرت کی بہترین تشکیل کرتا ہے۔ یہاں ان کو وہ روحانیت ملے گی جو راہبوں اور سنیاسیوں کے لئے نہیں بلکہ کارزار دنیا میں جدو جہد کرنے والوں کے لئے سکونِ قلب اور جمعیتِ خاطر کا سرچشمہ ہے۔ یہاں ان کو اخلاق

اور قانون کے وہ بلند اور پائیدار قواعد ملیں گے۔ جو انسانی فطرت کے علم حاوی پر مبنی ہیں اور خواہشات نفس کے اتباع میں بدل نہیں سکتے (یہاں ان کو تہذیب و تمدن کے وہ صحیح اصول ملیں گے۔ جو طبقات کے جعلی امتیازات اور اقوام کی مصنوعی تفریقوں کو مٹا کر خالص عقلی بنیادوں پر انسانی جمعیت کی تنظیم کرتے ہیں۔ اور عدل، مساوات، فیاضی اور حسنِ معاملت کی ایسی پرامن اور مناسب فضا پیدا کر دیتے ہیں۔ جس میں افراد اور طبقات اور فرقوں کے درمیان حقوق کی کشمکش اور مفاد و مصالح کے تصادم اور اغراض و مقاصد کی جنگ کے لئے کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ بلکہ سب کے سب باہمی تعاون کے ساتھ شخصی و اجتماعی فلاح کے لئے خوش دلی اور اطمینان کے ساتھ عمل کر سکتے ہیں) اگر وہ ہلاکت سے بچنا چاہیں تو قبل اس کے کہ ان کی تہذیب ہولناک صدمہ سے پاش پاش ہو کر تاریخ کی برباد شدہ تہذیبوں میں ایک اور مٹی ہوئی تہذیب کا اضافہ کرے ان کو چاہئے کہ اسلام کے خلاف تمام تعصبات کو جو انہیں قرونِ وسطے کے دیوانوں سے وراثت میں ملے ہیں۔ اور جن کو انہوں نے اس تاریک دور کی تمام دوسری چیزوں سے قطع تعلق کرنے کے باوجود ابھی تک نہیں چھوڑا ہے۔ اپنے دلوں سے نکال ڈالیں۔ اور کھلے دل کے ساتھ قرآن حکیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو سنیں، سمجھیں اور قبول کریں۔

دنیا کے بڑے لوگوں کو پیشکش

دنیا میں ایسے ناقص ذہن کے لوگ کم ہی پائے گئے ہیں اور اس دور

ایجادیں بھی کم ہیں۔ جو مطلق خدا تعالےٰ کی ہستی کا انکار کرنے والے ہوں۔ آدمی جس
کائنات میں پیدا ہوتا اور زندگی گزارتا ہے۔ وہ اپنے بنانے والے کے وجود پر اتنی
بلاہی شہادتیں اپنے اندر رکھتی ہے۔ کہ ان کا انکار کرنے کے لئے سخت درجہ
کی بلادت ذہن اور ایک انتہائی اندھے پن کی ضرورت ہے۔ پوری کائنات تو
بڑی چیز ہے۔ اس عجائب خانہ کا ہر شعبہ اور ہر حصہ اس کل کا ہر ہر پرزہ اس تعمیر کا
ہر ذرہ انسانی بصیرت کے لئے ایک ایسا درق معرفت ہے۔ کہ جس کی آیات
اپنے مطالعہ کرنے والے کو صرف اسی حقیقت تک پہنچا کر نہیں چھوڑ دیتیں۔ کہ سورجوں
اور چاندوں، دریاؤں اور پہاڑوں، ہواؤں اور گھٹاؤں، بجلیوں اور خرمنوں
کلیوں اور کانٹوں، چوپاؤں اور پرندوں کی اس دنیا کا ایک بنانے والا ہے۔
بلکہ یہ آیات دنیا کے خالق کی بہت سی صفات کو بھی واضح کر دیتی ہیں۔ مادے
اور قوت کا یہ کارخانہ بول بول کے کہہ رہا ہے۔ کہ اس کا بنانے والا اور چلانے والا
کل ارادہ و اختیار کا مالک ہے۔ وہ علیم و خبیر ہے۔ اور سمیع و بصیر ہے وہ حکیم اور دانا
ہے۔ وہ رحیم و کریم ہے۔ وہ عالم الغیب والشہادہ ہے۔ وہ فوق الفوق وراء
الوراء ہے۔ وہ غیر محتاج اور بے نیاز ہے۔ وہ حی و قیوم ہے۔ وہ قائم دائم ہے
وہ واحد و یکتا ہے۔ دنیا کے اس درس معرفت کو جھٹلا دینے کے بعد پھر اس
قفل کی کوئی کلید نہیں رہتی۔ پھر اس معمے کا کوئی حل نہیں رہتا۔ پھر اس الجھاؤ کے
سلجھانے کے لئے کوئی فکری بنیاد باقی نہیں رہتی۔ پھر اس لفظ میں کوئی معنی

نہیں پیدا کئے جا سکتے۔ پھر اس کل کے اجزاء میں کوئی منطقی ربط قائم نہیں کہا جا سکتا۔ پھر اس غزل کا نہ کوئی مطلع و مقطع رہتا ہے۔ اور نہ وزن، اور نہ قافیہ وردیف۔

اس تمہید کے بعد۔ دنیا کے بڑے لوگ اس بات پر ٹھنڈے دل سے یقین کر لیں۔ کہ دنیا کی کشیدگی اور مشکلات کی اصلاح آپ لوگوں کی مرتب کردہ اسکیموں سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ انسانوں کا کوئی گروہ اور افراد اپنے خود ساختہ نظریات و عملیات سے نہیں کر سکتے۔ بلکہ ان کی اصلاح ایسے مذہب کی ہدایات پر عمل کرنے سے ہو گی۔ جو مذہب ان کے اصلاح کی صلاحیت رکھتا ہو اور وہ اس کا مدعی ہو۔ اور وہ مذہب خدا کی طرف سے دیا گیا ہو۔

مذہب ہی وہ نظام حیات چلا آرہا ہے۔ جو اپنے مختلف ادوار میں خود بھی ارتقاء کرتا رہا ہے۔ اور انسان زندگی کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ اپنے دائرہ کو وسیع کرتا رہا تاکہ انسان کے ذہن میں پیدا ہونے والے ہر سوال کا تسلی بخش جواب اس کے پاس موجود رہے۔

(مذہب کا ارتقائی عمل ایک سادہ اور فطری عمل رہا ہے۔ اس نے ماحول پر قابو حاصل کرنے کے لئے انسان کو اس بات کے لئے ہمیشہ تیار کیا کہ وہ پہلے اپنے آپ پر دسترس حاصل کرے۔ مقابل کی طاقتوں کو شکست دینے سے پہلے خود اپنے کو فتح کرے۔)

لیکن ہماری موجودہ دنیا میں ایک ایسا گروہ پایا جا رہا ہے۔ جو مذہب کو زندگی سے خارج کر دینے پر مصر ہے۔ چونکہ اس کا ذہنی سانچہ مغربی افکار و خیالات سے وجود میں آیا ہے۔ اس لئے وہ زندگی کے ارتقاء میں مذہب کے تعامل کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

ہم نے دوسری جگہ اپنے مجموعات میں بدلائل واضح کر دیا ہے۔ کہ اسی خیال کے لوگ، تذبذب اور شک اور فریب کی ایسی گلی میں جا کر پھنس گئے ہیں جس سے نکلنے کا انہیں کوئی راستہ نہیں مل رہا۔ اقرار و انکار کے درمیان ان کی یہ بے یقینی ان کے ذہنی افلاس پر دلالت کرتی ہے۔ یہ لوگ مذہب کو خود ساختہ دلائل نظریات انسانی سے منافی قرار دیتے ہیں۔ لیکن خود ان کا یہ علمی رویہ انسانی فطرت سے دشمنی کے مترادف ہے۔ کیونکہ انسان کسی حال میں بھی شک، ریب، تذبذب اور بے یقینی کو فطری طور پر پسند نہیں کرتا اس کی فطرت کا میلان ہر گتھی کو سلجھانے دو ٹوک فیصلہ کرنے، ایک سمت اور ایک رخ اختیار کرنے اور جلد از جلد منزل تک پہونچنے کی طرف ہوتا ہے۔

(اسی طرح یہ لوگ مذہب کو ترقی کی راہ کا روڑا قرار دیتے ہیں۔ لیکن زندگی کے بنیادی محرکات کے متعلق ان کے ذہن میں جو شک اور ریب ہے۔ وہ خود ارتقاء میں سب سے بڑی رکاوٹ اور مانع ترقی ہے۔ وجہ ظاہر ہے۔ ارتقاء علم، یقین اور عمل کے سہارے ظہور پاتا ہے، لیکن جس نظام فکر و عمل کی بنیاد

ہی لاعلمی بے یقینی پر مبنی ہو، وہ آخر انسانی زندگی کو کہاں تک ترقی دے سکتا ہے۔ شک اور ریب یہ بہرحال علم نہیں۔ یہ تو جہل اور ناواقفیت کا نتیجہ ہیں۔ علم نام ہی ہے۔ شک، ریب، اور بے یقینی کے خاتمہ کا۔

اس گروہ کی یہی وہ علمی کمزوری ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے ذہن سے خدا اور مذہب کے گمان کو (کمتر درجہ کے ہی سہی) نکال نہیں سکتا، اور اس لئے وہ ایک (رب خدا کائنات) کا یقین دلانے سے ہچکچاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے انکار خدا کو انکار ذات مطلق قرار نہیں دے سکتا۔ اور صاف صاف اقرار کرنے کی بھی ہمت نہیں رکھتا۔ اس علمی کمزوری کا اصل سبب صرف یہ ہے۔ کہ وہ خدا کے صفات لامتناہی کے ادراک سے قاصر ہے۔

قرآن نے کہا۔ اور اس کی ہٹ دھرمی یہ ہے کہ وہ ان اشخاص سے اکتساب بھی کرنا نہیں چاہتا، جو خدا کی صفات کے فہم و ادراک کا معتبر ذریعہ ہیں۔

"انسانی تمنائیں"

جو مذہب ہی سے پوری ہو سکتی ہیں۔ انسان کا اپنی تمناؤں کے بر لانے سے معذور رہنا دنیا کی ناکامیوں سے ماوراء کامیابیوں کا اشتیاق اور موجودہ زندگی کی تکالیف اور محرمیوں سے پر رہنا۔ ایسے اسباب ہیں جو فطری ہیں۔ لیکن انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہیں۔ انسان کی فطری خواہش ہے

کہ وہ اپنی تمناؤں کو پورا کرے ، کامیابیوں کی آخری منزل تک جا پہنچے یہی تو وہ خواہش اور جذبہ ہے۔ جو انسان کو ایک منزل سے دوسری منزل تک لے پھرتا ہے۔

"مذہب داخل فطرت انسانی ہے"

ہم نے دوسری جگہ یہ بات علمی اور عقلی اور تجرباتی دلائل سے ثابت کر دی ہے کہ مذہب انسانیت کی فطری خواہش ہے۔ مذہب کی بنیاد خدا کا یقین یا مافوق الفطرت ہستی کا اعتقاد ہے۔ یعنی ایسی ہستی جو تمام سے بالاتر ہو۔ اور تمام کائنات اس کی محکوم معلوم ہوتی ہو (آہ مذہب انسان کے خمیر میں پایا جاتا ہے۔ نہ کہ مذہب انسانی احتیاج اور فلسفیانہ دلائل سے پیدا ہوتا ہے عقلی دلائل ہو سکتا ہے۔ کہ اس فطری چیز کے سمجھانے اور مفید بنانے میں معین و مددگار ہوں۔ لیکن بلا تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذہب ان کی پیداوار نہیں ہے۔ بلکہ مذہب انسانی فطرت کا ایک لطیف اشارہ ہے۔ اور سادہ اقتضا ہے جو انسانیت سے ظہور پذیر ہوتا ہے) یہ اقتضا وحی الہی اور عقل سے تربیت پا کر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ بہرحال عیاں ہے مذہب واقعی اس جذبہ اور خواہش کی مکمل تسکین کر سکتا ہے۔ اور انسان کو وہ دنیا فراہم کر سکتا ہے جہاں اس کو سب کچھ حاصل ہو جائے۔ اور وہ کسی خواہش کی تکمیل سے محروم نہ رہے (پھر مذہب ہی انسانی فطرت کا اصل داعیہ ہے اور

ارتقاء کا بنیادی محرک درحقیقت مذہب کو داخل فطرت انسانی تسلیم کرلینا یہ کہہ دینا ہے۔ کہ مذہب مانع ترقی نہیں ہے۔ بلکہ سبب ترقی ہے۔

یہ ہی وجہ ہے کہ آخر سائینس کی دنیا کو مذہب کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ سائنس کے نام سے مذہب اور خدا کے خلاف جو مہم جاری کی گئی تھی۔ آج اعتراف کرنا پڑ رہا ہے۔ کہ یہ سائینس کا غلط استعمال تھا۔

انسانیت کا بھلا چاہنے والے بڑے لوگوں کا منصب

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی　　　تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

عالمی کشیدگی کا رفع کرنا اور مشکلات کا حل کرنا، ظاہر ہے۔ کہ دنیا کے بڑے لوگوں کا ہی کام ہے۔ یہی لوگ ذمہ دار ہوتے ہیں۔ عوام ان کے تابع ہوتے ہیں لیکن ہمارے زمانے کے بڑے لوگ جس قدر بھی کشیدگی کی اصلاح اور مشکلات کے حل کی تدبیریں اختیار کرتے ہیں۔ معاملات زیادہ سے زیادہ الجھتے جا رہے ہیں۔ ان کے پاس علم وعقل کی کمی نہیں، مال و دولت کی کمی نہیں۔ بلکہ ایک ادارہ اقوام متحدہ کے نام سے قائم ہو چکا ہے۔ جس کی نظیر پہلے زمانوں میں پائی نہیں گئی۔ تاریخ عالم میں دنیا کی حکومتوں کے اس طرح اکٹھا ہونے کی کوئی مثال نہیں ملتی جو ادارہ اقوام متحدہ کی صورت میں اس وقت موجود ہے۔ یہ ادارہ اس بات کی علامت ہے کہ اہل عالم اپنے سارے اختلافات کے باوجود کسی بہتر اصول تصور کے متلاشی ہیں۔ اور حق کی تلاش

کے تمام ذرائع اور وسائل بھی ان کے پاس موجود ہیں۔

"یہ سوچنے کی بات ہے اسے خوب سوچیئے"

یعنی غور کرنے والوں اور انسانیت کا بھلا چاہنے والوں کے لئے یہ نہایت ہی ضروری اور اہم بات ہے۔ کہ اس قدر وسائل و ذرائع کے ہونے کے باوجود دنیا تباہی اور بربادی کی طرف کیوں جا رہی ہے۔ امن کیوں نہیں قائم ہوتا۔ سلامتی کیوں نہیں حاصل ہوتی۔

معلوم ایسا ہو رہا ہے۔ کہ ان بہت لوگوں میں اب تک بعض ایسے لوگ شامل ہیں جنھوں نے دنیا کو بے خدا ملک سمجھا ہوا ہے۔ اور ایسے بھی ہیں۔ کہ یہ سمجھے ہوئے ہیں۔ کہ خدا نے دنیا کا نظام حیات انسانوں کے سپرد کیا ہوا ہے۔ جس طرح چاہیں خود نظام مرتب کریں باقی جو لوگ اس خیال کے نہیں ہیں وہ مرعوبیت کی وجہ سے ان کے ساتھ چل رہے ہیں۔

اس بات کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ خدا نے جہان اور کائنات کو پیدا کر کے اس کے نظام اور اختیارات کو غیر کے قبضہ اور تصرف میں نہیں دیا بلکہ جیسا اس نے موجودات عالم کے بقاء و نشوونما کے لئے ہر اس چیز کی فراہمی کا انتظام کیا ہے۔ جس کی ضرورت کا تصور کیا جا سکتا تھا۔ ویسا ہی خدا تعالیٰ خود انسان کی سب سے بڑی ضرورت (نظام حیات) کا بھی بندوبست فرماتا رہا ہے۔ اپنے فرامین اور خاص بندوں کے ذریعے نظام بتا دیتا رہا ہے۔ دنیا کے

بڑے لوگوں نے جب سے خدائی نظام حیات سے روگردانی کر رکھی ہے۔ دنیا ایک سخت مصیبت میں گرفتار چلی آ رہی ہے۔ اور بیچارگی کے عالم میں غوطے کھا رہی ہے بار بار غلط تجربے کر کے ناکام ہو رہی ہے۔ ٹھوکریں کھا کر گرتی ہے۔ اور پھر اٹھ کر چلتی ہے۔ تاکہ ٹھوکر کھائے۔ ہر ٹھوکر پر ملک کے ملک اور قومیں کی قومیں تباہ ہو رہی ہیں۔ اس غریب کو اپنے مقصد زندگی تک کی خبر نہیں ہے۔ کچھ نہیں جانتی کہ کاہے کے لیئے سعی اور عمل کرے اور کس ڈھنگ پر کرے۔

(بہرحال جو کچھ اس وقت دنیا میں بگاڑ ہے۔ یہ سب خدا فراموشی کا نتیجہ ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے انسان کو جس صحیح فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اور جو زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ بتایا ہے۔ اس سے ہٹنے اور اس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ہے۔ اور یہی دنیا میں ظلم اور فساد کی بنیاد ہے)

سیاسی رنگ یا مذہبی رنگ یا معاشی رنگ میں خدا کے بندوں کو انسانوں نے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ حکومت کی کلیدوں پر بے انصاف اور خود غرض انسان مسلط ہیں۔ پھر جب کوئی طبقہ انقلابی ان کے ظلم و بے انصافی سے تنگ آ کر ان کی جگہ پر مسلط ہو جاتا ہے۔ تو وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد وہی کچھ کرنے لگتا ہے۔ جو پہلے بے انصاف کر رہے تھے۔ یہ انقلابی چاہے کتنے ہی نیک نیت کیوں نہ ہوں۔ وہ بھی عدل و توسط کے صحیح مقام کو نہیں پا سکتے۔ وہ یا تو خود مظلوم طبقوں سے اٹھتے ہیں۔ یا ان کی حمایت کا جذبہ لے کر اٹھتے ہیں۔ پھر

سارے معاملات کو انہیں طبقوں کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان کی نظر بھی غیر جانبدار اور خالص انسانیت کی نظر نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک طبقہ کی طرف غصے اور نفرت کا اور دوسرے طبقہ کی حمایت کا جذبہ لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ ظلم کا ایسا علاج سوچتے ہیں۔ جو حقیقت میں ایک جوابی ظلم ہی ہوتا ہے۔ ان کے لئے انتقام اور حسد اور عداوت کے جذبات سے پاک ہو کر ایک ایسا معتدل اور متوازن نظام تجویز کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ جس میں پوری طور پر تمام انسانوں کی فلاح ہو۔ ایسا معتدل اور متوازن راستہ وہی ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے خود تجویز کر کے عنایت کیا ہے۔ اب اس بات کی اشد ضرورت ہے۔ کہ ہمت اور تدبیر کو کام میں لا کر اسی کو تمام غلط ضابطوں اور مصنوعی نظریوں پر غالب کر دیا جائے جو اس وقت دنیا میں رائج ہیں۔ کیونکہ خدائی نظام کے قائم کئے بغیر قطعاً دنیا میں امن و سلامتی وجود نہیں پا سکتے۔ خدا تعالےٰ انسانی جذبات سے منزہ ہے۔ کسی طبقہ انسانی سے اس کا خاص رشتہ نہیں۔ خدا تعالےٰ کو تمام انسانوں بلکہ خود ان ظالم طبقوں کی بھی فلاح و بہبود کی ملحوظ ہوتی ہے۔ خدا تعالےٰ کسی قوم یا گروہ کو نہیں بلکہ تمام انسانوں اور طبقوں کو بلاوا دیتا ہے۔ کہ آؤ اس نظام کے اندر رہنا اختیار کرو۔ جو ہم نے تمہارے واسطے مقرر کیا ہے۔ اگر تم اس نظام کے اندر رہنا اختیار کر لو گے۔ اگر تم اس عدل و حق کے نظام کو قبول کر لو گے۔ تب ہی تمہارے لئے امن و سلامتی

ہے۔ اس نظام میں کسی طبقے سے دشمنی نہیں۔ بلکہ دشمنی شرک وکفر سے ہے اور ظلم وفساد سے ہے۔ بداخلاقی اور بداطواری سے ہے۔

آج بھی دنیا کے تمام مذاہب کو اسلام کی دعوت ہے کہ وہ سب مل کر خدا کی وحدت پر ایمان لائیں اور اس کے سوا کسی کو اپنی اتھارٹی تسلیم نہ کریں سو جو اتحاد مذاہب کی یہ کیسی پائیدار بنیاد ہے۔ ہے کوئی جو اس دعوت کو لبیک کہے اور مذہبی اختلافات کا خاتمہ کر دے۔

پیغام قرآن پیشوایان مذاہب کے نام

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ

(سپ۳)

اے اہل کتاب ہم تمہیں ایک ایسی بات کی طرف بلاتے ہیں۔ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہے۔ وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور نہ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانیں اور نہ خدا کے سوا کسی کو اپنا رب بنائیں اگر تم اس بات کو بھی نہ مانو تو گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ (پ۳ ع ۱۵)

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا

اور ہر ایک امت میں ڈرانے والا ہو گزرا ہے اور بیشک ہم نے ہر ایک اُمت میں رسولوں کے ذریعہ پیغام بھیجا ہے۔ کہ اللہ کی عبادت کرو

اَلطَّاغُوتَ ۔ اور شیطان سے بچو۔

اوپر کی آیت میں اہل کتاب سے مصالحت کی راہ کھولی گئی ہے۔ پیچھلی آیتوں سے معلوم ہوا۔ اہل کتاب کے خطاب کے نیچے دنیا کی ساری قومیں آسکتی ہیں (اس بحث کو ہم نے دوسری جگہ تفصیل سے بیان کیا ہے) بہرحال دنیا کے غیر مسلموں کو پکارا گیا ہے۔ (ان میں اولین مخاطب ان کے پیشوا ہیں) کہ آؤ ان چیزوں پر اتفاق کر لیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں۔ یعنی خدا ہی کو معبود برحق ماننا اور اس کے کاروبار میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ اور اس کے سوا کسی اتھارٹی کو تسلیم نہ کرنا اگر ہمت ہے تو آؤ اور مذہبی اختلافات کا خاتمہ کر دو۔

کیوں خالق و مخلوق میں حائل نہیں پردے پیران مذاہب کو یہ ایک بات سنادو

لیکن افسوس کہ دیرینہ رواج یافتہ باتیں اگرچہ وہ بے حقیقت توہمات اور وہمیات ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن قدامت کی وجہ سے قومیں انہیں حقائق اور سچی ہی سمجھتی رہتی ہیں۔ چنانچہ ہزارہا سال سے غیر علمی غیر عقلی دینی نظریات اب تک بھی مختلف قوموں میں بدستور چلے آرہے ہیں۔ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک لاطینی مسیحیت نے یورپ کی عقل اور ادراک پر قبضہ رکھا۔ اور عیسائیوں میں تثلیث اور کفارہ و ابنیت کا غیر معقول عقیدہ اس علمی اور عقلی دور میں بھی بدستور موجود ہے۔ بلکہ آج کل جو بعض نام کے مسلمان بھی جاہل اور اوہام پرست ہیں جو کہ خود ساختہ قصے کہانیوں اور احمقانہ عقائد پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور مزید

تلخ بات یہ ہے۔ کہ ایسا ہر گروہ اور قوم اپنے آپ کو ہی حق پر اور اپنے نظریہ کو صحیح کہہ رہے ہیں ؎

اپنی مرضی کے مطابق دہر کو کیونکر کروں
مجھ کو بے حد غصہ آتا ہے مگر کس پر کروں

ہمارا موضوع یہاں مختلف مذاہب اور متفرق نظریات پر بحث کرنا اور تقابلاً ترجیح پیش کرنا نہیں ہے (مذہب حق کی شناخت اور معیار شناخت کے متعلق ہم نے دوسری جگہ مفصل بحث کی ہے) بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ اس قسم کی بحثوں سے اگر احقاق و حق مقصود نہ ہو بلکہ اپنی بات کا منوانا ہی صرف مدنظر ہو تو اس رویہ سے گروہوں کے درمیان بُعد و نفرت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور تعصبات زیادہ بھڑکتے ہیں۔

بہرحال ہم اپنے مدعا یعنی ساری انسانیت کے لئے مفید اور بہترین چیز کو بتوفیق خدائے تعالے مندرجہ ذیل قرآنی تعلیم کے مطابق دنیا کے بڑے لوگوں خصوصاً پیشوایان مذاہب کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ	بلا اپنے رب کے رستہ کی طرف عقلمندی کے ساتھ
وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ	اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور مناظرہ کر ان
بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔	سے عمدہ طریقہ کے ساتھ۔

جو لوگ اپنے مدعیٰ کو تقابل کی شکل میں پیش کر کے دوسروں پر اٹیک کرتے ہیں یا الزام سے صرف نیچا دکھانا ان کا مقصد ہوتا ہے۔ ایسے لوگ انسانیت

کے صحیح معنی میں خادم نہیں شمار ہو سکتے بلکہ حق بات کے درمیان میں مزید رکاوٹ
کے باعث بنتے ہیں۔ اور تعصب و ضدیت کو بڑھاتے ہیں

ضد اور تعصب ایسی بری چیزیں ہیں۔ کہ ان کے ہوتے ہوئے حق اور صداقت
سے بھی انسان انکار کر دیتا ہے۔ اور استدلال کے اس طریقہ سے کوئی چیز بھی
اس کی رہنمائی نہیں کر سکتی۔

(برادران انسانی! اگر کوئی شخص صاف نیت سے بطور خدمت انسانی اگر
آپ کے سامنے یہ بات پیش کرے۔ کہ میں برادران کے فائدے کی کچھ بات کہنا
چاہتا ہوں۔ تو کیا کوئی عقل سلیم رکھنے والا ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ایسے شخص
کی ایسی بات سننے ہی سے انکار کر دے۔ ہرگز نہیں۔ پس اس تمہیدی مضمون
کے بعد ہم غیر مسلم پیشوایان مذاہب اور حقیقت و تحقیق پسند غیر متعصب مفکرین
اور مذہبی حضرات کی خدمات میں بھی اور روشن باتیں پیش کر کے سچائی
کے تسلیم اور اختیار کرنے کی امید رکھتے ہیں)

حضرات! ایک عرصہ سے یہ بات روشن ہو چکی ہے۔ کہ دنیا کی غیر مسلم قوموں
کی نجات اسی میں ہے۔ کہ وہ اپنی زندگی کے ہر گوشہ میں اسلام کی تعلیمات و
ہدایات کا اتباع کریں۔ اس بات کے حق اور صادق ہونے کے بےشمار دلائل
موجود ہو چکے ہیں۔ آپ حضرات کے سامنے ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں
آپ کی عقل و فکر سے باہر نہیں ہیں۔ اس وقت آپ عقل و فکر کے میدان

میں ہیں۔ ناگزیر ہے کہ آپ حقائق کا سامنا کریں۔ اس وقت آپ کے مذہب کی باگ ڈور آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ اس بات کی قدرت رکھتے ہیں کہ اپنی منصبی ذمہ داری کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے۔ اور خدا تعالے کے سامنے جواب دہی کا زندہ یقین رکھتے ہوئے پورے عزم اور پختہ جزم سے اس اصل حقیقت اور ٹھوس صداقت کا انسانوں سے نڈر ہو کر علی رؤس الاشہاد اعلان کر دیں۔ کہ اس وقت یہ بات روشن ہو چکی ہے۔ کہ تمام مذاہب سے اس وقت جو مذہب حق ہے۔ وہ صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ اسلام ہے۔ کیونکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو تمام مذاہب کی صداقتوں اور ان کے صحیح اصولوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ اور نیز دوسری ایسی صداقتوں اور صحیح اصولوں کو بھی جمع کرنے والا ہے۔ جو اس سے پہلے مذاہب میں ان کو بیان نہیں کیا گیا۔ اس لئے نہیں کہ وہ اپنی جگہ میں صداقتیں اور اصول صحیح نہ تھے۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے ظاہر کرنے اور دیئے جانے کا زمانہ نہیں آیا تھا۔

اور یہ بات سب کو معلوم ہے۔ کہ اسلام کے علاوہ کسی اہل مذہب کے پاس ایسی کتاب نہیں جو ترقیات زمانہ کا ساتھ دیتی چلی آئی ہو یا اب دے سکتی ہو اور آئندہ پیش آنے والے حالات کے لئے اس میں اصول وہدایت ہوں۔ بخلاف قرآن حکیم کے کہ جب ہم اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تو ہمیں واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۷۵ سال سے ایسے نظریات اور اصول دیتا

ہے۔ جن تک دنیا صدیوں بعد ترقی کرتی پہنچی ہے۔ بلکہ یہ کتاب ایسے اصول ونظریات کے جدید جواہر ریزے بھی رکھتی ہے۔ جن تک ابھی دنیا کے ارباب نظریات اور قانون سازوں کا تصور بھی نہیں گیا۔ دنیا کے مفکرین جس قسم کے اصول جانتے ہیں۔ اور جن کے قوانین میں موجود ہونے کی بس انہیں تمنا ہی ہے۔ وہ سب ابتدا ہی سے اس میں موجود ہیں۔

(اسلام سے پہلے ادیان بھی اللہ تعالےٰ ہی کی طرف سے تھے۔ مگر وہ محدود اور زمانی تھے۔ اور ان کے اصول و نظریات بھی ایسے ہی محدود تھے۔ مگر اسلام چونکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے غیر محدود اور سرمدی قرار دیا جا چکا ہے۔ اس لئے اس کے نظریات اور اصول غیر مبتدل اور غیر تغیر پذیر ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ ہی نے ان اصول و قوانین کو رفعت و کمال کی اس حد تک پہنچایا ہوا ہے۔ جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اور جو کہ موجودہ اور آئندہ کے تمام حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اور ان میں کسی تبدل و تغیر کی گنجائش اور ضرورت نہیں۔

(یہ باتیں جو پیش کی گئی ہیں محض حسن عقیدت پر مبنی نہیں عقل و تلیغ کی کسوٹی پر ان کو پرکھا جا سکتا ہے۔ یہ علم و عقل کا زمانہ ہے۔ ہر ایک چیز عقل و حکمت پر پرکھ کر قبول کی جاتی ہے۔ معلوم ہو کہ ہم اہل اسلام پہلے کے تمام انبیاء کرام اور برگزیدہ حضرات جن کو اللہ تعالےٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث

کیا اور تمام کتب کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں) مانتے ہیں۔ اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن اس وقت معیار حقانیت وصداقت اور تھا اور دور موجودہ میں معیار بدل چکا ہے۔)

(یہ ایک مسلمہ بات ہے۔ کہ انسانی عقل وفہم کی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہبی نظریات بھی ترقی پذیر ہوتے جاتے ہیں (جس طرح انسان بچپن کی منزل طے کر کے شباب کے میدان میں قدم رکھتا ہے۔ پھر ادھیڑ ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی عقل پکی ہو جاتی ہے۔ اور وہ اونچی اونچی باتوں کو سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح قومیں بھی بتدریج عقل وفہم میں ترقی کرتی رہیں) یہاں تک کہ ان کی ترقی اس حد تک جا پہنچی۔ کہ وہ سب سے بلند ہدایت (وحی خداوندی) یعنی خدا کے آخری قرآن حکیم کی حدود سے حاصل ہو گئیں۔ حالانکہ پہلے انہیں کی یہ حالت تھی۔ کہ وحی کا یقین دلانے اور نبوت کو باور کرانے کے لئے اور کوئی ذریعہ نہ تھا سوائے اس کے کہ ایسی نشانیاں ظاہر کی جائیں جو عقل کو ششدر بنا دیں۔ اور انسان کو حیرت وتعجب میں ڈال دیں۔ تاکہ وہ نبوت کے ماننے پر تیار ہو جائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک نا سمجھ بچہ کسی خوف یا کسی بھید نے سے کوئی کام کرنے لگتا ہے۔)

یہ خداوند تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت تھی۔ کہ اس نے انسانوں کی ہدایت میں انسانی فطرت کی ہمیشہ رعایت کی۔ اس نے انسانوں کے ہی گروہ میں سے

پیغمبروں کو اٹھایا۔ اوران میں ایسی خصوصیتیں رکھدیں۔ جن میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔ پھر لوگوں کو مزید یقین دلانے کے لئے ان انبیاء کرام کو ایسی نشانیاں دیں جو دلوں پر قبضہ کرنے والی اور عقلوں پر چھا جانے والی تھیں۔ ان کے سامنے سرکش جھک گئے اور ہٹ دھرم باز آ گئے۔ جاہلوں کی نگاہیں انہیں دیکھ کر خیرہ ہو گئیں اور ان کے سامنے سچائی چمکنے لگی۔

(جب عقلیں کمال کو پہنچ گئی۔ تو محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جنہوں نے اپنی رسالت منوانے کے لئے نہ آنکھوں کو خیرہ کیا نہ حواس کو حیرت زدہ کیا بلکہ عقلوں کو ہی دعوت دی سوچنے اور سمجھنے کے لئے پکارا اور عقل ہی کو فیصلہ کے لئے حکم قرار دیا۔ اور اس طرح خدا تعالے نے عقل ودلیل گویائی قوت اور بلاغت کی قدرت ہی کو حق کی نشانی اور نبوت کا معجزہ قرار دے دیا۔)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالمی اور دائمی نبی قرار دیئے جا چکے ہیں۔ اور ایسا ہی قرآن حکیم آپ کا عالمی معجزہ ہے۔ اور معجزوں سے زبردست بلند اور بڑا معجزہ ہے۔ یہ صرف ایسا ہی معجزہ نہیں جو صرف عقل کو ششدر بنا کر حیرت اور تعجب میں ڈالدے۔ بلکہ اس میں عقلوں کو سوچنے اور سمجھنے اور غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ تاکہ اس کو ہر قسم کے تنقیدی صحیح معیار پر پرکھیں اور پرکھ کر اس کی پیش کی گئیں باتوں کو مانیں اس میں لا اکراہ فی الدین .... کا واضح طور پر اعلان کر دیا گیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی کہا

گیا ہے کہ :-

سَنُرِیْهِمْ آیَاتِنَا فِی الْآفَاقِ وَ فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔

ہم ان کو بہت جلد اپنی نشانات قدرت دکھائیں گے مظاہر عالم کے اندر بھی اور خود ان کے نفوس میں بھی جس سے ان لوگوں پر واضح ہو جائے گا کہ اسلام تو سچا ہے ۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکَافِرُوْنَ

اللہ اپنے نور کو تمام کر کے چھوڑے گا اگرچہ کافر نا[illegible]

اور یہ بھی :

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ۔

اللہ وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس دین کو غالب کر دے دینوں پر اگرچہ مشرک اس بات کو ناپسند کریں ۔

اور یہ کہ :-

قُلْ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَاًنِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔

کہہ دو اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس کے ہاتھوں زندگی اور موت مقرر شدہ ہے پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر جو کہ اللہ پر اور اس کی سب کلاموں پر یقین رکھتا ہے پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ ۔

اور یہ بھی ہے :-

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ

ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔

اور سب کو معلوم ہے۔ اور یہ صحیح بھی ہے۔ کہ پہلی امتوں نے کتب الٰہی کو بدل ڈالا اور ضائع بھی کر دیا مگر قرآن حکیم کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ :۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

ہم نے ہی ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور اس کی حفاظت بھی ہمارے ذمہ ہے۔

اور یہ بھی قرآن میں ہے :۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

اس میں باطل کسی جانب سے بھی داخل نہیں ہو سکتا یہ رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے۔

اور دین اسلام کے متعلق یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ :۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ۔ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ۔

اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے جو کوئی اسلام کے بغیر اور کسی دین کو چاہے گا اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

تیرے رب کی باتیں انصاف اور سچائی کی آخری حد کو پہنچ جاتی ہیں اور اس کی باتوں کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

حضرات بیشک چاہیئے تھا کہ دینی اور مذہبی صحیح اور حق باتوں کو بلا دلیل تقلیداً مانا جائے۔ اسی لئے پہلے انبیاء علیہم السلام کو ایسے معجزے دیئے گئے۔ جو نبی کی نبوت پر دلیل اور نشانی ہوں۔ تاکہ انسان ان کی باتوں علم و عقل کے معیار پر پرکھ کر قبول کریں گے۔ اس لئے آخری اور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علمی اور عقلی معجزہ دے کر مبعوث کیا گیا اور آپ کی

تعلیمات کو علم و حکمت اور فلسفہ الہی پر مستحکم کیا گیا۔

آپ حضرات کو معلوم ہے۔ کہ محمد رسول اللہ کے مبعوث ہونے کے وقت مسلمان قوم دنیا میں موجود نہ تھی۔ اہل کتاب تھے۔ اور دیگر مشرک اور کافر اور دیگر لادینی قومیں موجود تھیں۔ ان سب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو سنا اور چنانچہ ان میں سے جو لوگ حق پسند اور جویائے حقیقت و صداقت تھے وہ اسلامی دعوت کو قبول کرتے گئے۔ اور مسلم قوم یا امت مسلم بنتی گئی۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اور قیامت تک جاری رہے گا۔ باقی غیر مسلموں سے جو لوگ متعصب یا ضدی تھے۔ یا جن کو اسلام کے قبول کرنے سے اپنی عزت و وقار دنیا اور نام و شہرت کے جانے کا خطرہ تھا۔ اور ان کو دنیا دین سے زیادہ پیاری تھی ایسے لوگوں نے اس عالمی ہدایت اور رحمت سے منہ موڑ لیا۔ قرآن نے کہا:۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا — ان کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ وہ آگ روشن

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ — کرے یا اس بارش کی سی ہے جو آسمان سے برس رہی

وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ۔ — ہو اس میں اندھیروں کی تہیں ہوں اور فرشتہ کی گرج

بہر حال بیان بالا سے معلوم ہو گیا کہ اسلام ساری دنیا کی قوموں کے لئے عالمی دین قرار دے کر نازل کیا گیا ہے۔ یہ خاص کسی بھی قوم کا دین نہیں جو بھی اس کو قبول کریگا۔ وہ مسلمان ہوگا۔ چاہے اس کی کوئی قوم ہو اور کسی بھی ملک کا باشندہ ہو۔ پس بعض اہل مذہب کا یہ کہنا کہ اسلام صرف مسلمان

قوم کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اور یہ صرف انہیں کا دین ہے۔ ہم اس کو کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ اور خدا سے کنارہ کشی مقصود ہے۔ لیکن سنجیدہ دنیا کے نزدیک اب اس قسم کی باتیں باوقعت اور در خور اعتنا نہیں ہو سکتیں

دنیا والوں کو معلوم ہی ہے۔ کہ اسلام عالمی کی حقانیت اور صداقت کو دبانے کے لئے اور اس روشنی سے لوگوں کو اندھیرے میں رکھنے کے لئے مخالفین نے کیا کیا تدبیریں کی ہیں۔ اور کسی قسم کے ہتھکنڈے کھیلے، قرآن نے کہا:۔

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ	یہ لوگ کافر چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور دین کو
بِاَفْوَاهِهِمْ۔ قرآن ہی نے یہ جواب دیا۔	پھونکوں سے بجھا دیں۔
وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ	اور اللہ اپنے نور کو تمام کر کے رہے گا اگرچہ کافر برا منائیں
وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ	اور اللہ سراسر اس سے انکار کرتا ہے مگر یہ کہ اس نور کو پورا کر کے رہیگا
یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ	اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور جب چاہتا
لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ	ہے فیصلہ کرتا ہے کوئی بھی اس کے حکم پیچھے نہیں ڈال سکتا

بہرحال ان رکاوٹوں کے باوجود اسلام کی گھٹائیں اٹھیں اور بادبہاری سے دنیا پر پھیلیں اور رحمت بن کر برسیں ان کی برکت سے با نصیب فیض یاب ہوئے۔ اور بے نصیب محروم رہے ؎

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

بیشک ہمیں جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔ مگر زمانہ ظاہر کر رہا ہے۔ کہ حق کیا ہے اور اس کا معیار کیا ہے۔ کوئی بھی حقیقت واقعہ اور تحقیق صحیح مذہب آسمانی کی ضد و مخالف نہیں ہو سکتی۔ قدیم مذہب کے پیشواؤں نے سخت غلطی کی کہ صحیح سائنس اور فلسفہ کو خواہ مخواہ مذہب کا ضد اور مخالف قرار دے کر دنیا کے امن کو خطرہ میں ڈالا اور خدا کے بندوں کو تباہ کیا۔ اور اپنے اپنے دین سے بدعقیدہ یا لے عقیدہ کیا اور الحاد اور دہریت کے جنم دینے کے باعث ہوئے حضرات پیشوایان مذاہب! یہ دعویٰ ہم کچھ اس وجہ سے نہیں کر رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ بلکہ اسلام کے دینی و دنیوی کارناموں کو پیش نظر رکھ کر کرتے ہیں۔ جن کا ذکر خود انصاف پسند مفکرین و محققین یورپ نے بھی کیا ہے خصوصاً ڈاکٹر ڈریپر امریکہ کے نامور فاضل جس نے اپنی کتاب معرکہ مذہب و سائنس میں دنیا کے تمام علوم اور مذاہب اور انسانی فطرت پر ایسی غائر اور وسیع نظر ڈالی ہے۔ کہ گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اس کتاب میں شرح بسط کے ساتھ اسلام کے کارناموں کو بیان کیا ہے۔ اسلام کے اس اصولی عقیدہ کا ذکر کرنے کے بعد جس کا راز لا الہ الا اللہ میں چھپا ہوا ہے۔ اور جو ہر قوم کے ترقی یافتہ مذہبی جذبات کا نصب العین ہے۔ اور ان روحانی و افقی حقائق کا بالاجمال اعادہ کرنے کے بعد جن کی تکشیف حضور صدر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ ڈاکٹر ڈریپر نے جہاں اسلام کی عدیم النظیر ملکی فتوحات

اور قابل رشک تمدن کا ذکر کیا ہے۔ وہاں یہ بھی بتایا ہے۔ کہ اسلام نے خود اپنے ہاتھوں سے سائنس کے اس پودے کو سینچا ہے۔ جسے عجائب خانہ اسکندریہ کے زندہ جاوید بانی بطلیموس سوئٹر نے لگایا تھا۔ لیکن جو نصرانیت کی بنجر زمین میں خشک ہو چلا تھا۔ اور یہ اسی آبیاری کا صدقہ تھا۔ کہ علوم و فنون حکمت و فلسفہ صنائع و بدائع کا وہ لہلہاتا ہوا چمن عقل و ادراک کی سیر کے لئے تیار ہو گیا جس کے پھول یورپ و امریکہ میں آج نئی شگفتگی کے ساتھ مہک رہے ہیں۔ علوم جدیدہ کا دور سولویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔ ظہور اسلام چھٹی صدی میں ہوا۔ یہ ہزار سال کا زمانہ ان تسلسل و متوالی کوششوں سے بھرا پڑا ہے۔ جو علوم قدیمہ کے احیاء اور علوم مروجہ کی بقا کے متعلق دنیائے اسلام کے طول و عرض میں ظاہر ہوتی رہیں۔ اور یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ سائنس نے جو ترقی گزشتہ تین سو سالوں میں کی ہے۔ اس کے لحاظ سے وہ اسلام ہی کا شرمندہ احسان ہے گویا اسلام نے ایک ڈھانچ قائم کر لیا تھا۔ جس پر یورپ نے گوشت پوست چڑھا لیا

تو نے تبدیل سخن کو منڈ لیا تو کیا ہوا ڈھانچ میں تو ہیں وہی لگے برس کی تیلیاں

ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب کی بالکل آخری سطریں یہ ہیں:-

"آج سے دو ہزار تین سو سال پہلے عزراد (علیہ السلام) نے بابل کی بید مجنوں سے چھائی ہوئی ندیوں کے کنارے بیٹھ کر جو یہ جملہ لکھا تھا اس کی صداقت میں آج بھی کلام نہیں"

"حق ہمیشہ برقرار رہتا ہے اور اس کی قوت قائم رہتی ہے وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور فتح اس کا ساتھ دیتی ہے۔" صفحہ ۳۶۷

مذہب اسلام میں انسان کا مرتبہ و مقام

انسان کو اسلام نے جو مرتبہ و مقام دیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ انسان سلطنت اور کائنات میں خدا تعالےٰ کا نائب اور خلیفہ، اور نمائندہ کی پوزیشن میں ہے۔ کسی مذہب پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے دو ہی بنیادی حقیقتیں دیکھی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے خدا کا تصور کیا دلایا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس نے انسان کو کیا مقام دیا ہے۔ جہاں خدا کا تصور ناقص یا خلاف حقیقت ہو گا۔ وہاں انسان بھی اپنے اصل مرتبہ و مقام سے ہٹا ہوا ملیگا۔ اور جہاں انسان کو اس کے شایان شان درجہ نہ دیا گیا ہو۔ وہاں خدا کا تصور کبھی صحیح اور مطابق حقیقت نہیں ہو سکتا۔ کسی مذہب کے تصور خدا کی کسوٹی اس کا تصور انسانی ہے چونکہ مذہب کا مقصود زندگی کو بنانا سنوارنا ہے۔ اس لئے مذاہب کی جانچ میں یہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کہ وہ انسان اور انسانی زندگی کو کیا درجہ دیتے ہیں۔ آدمی کو جس نظام فکر و عمل کی طرف پکاریئے اس کی خودی یہ دریافت کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اس نظام میں میرا مقام کیا ہے۔ مادی کائنات کے اسٹیج پر زندگی کی تمثیل پیش کرنے میں میرے لئے کیا پارٹ تجویز کیا گیا ہے۔ آفرینش کی اس بھری مجلس میں میری نشست کہاں ہے۔

اسلام انسان کو کائنات میں خدا کے نائب و خلیفہ ہونے کا مقام و مرتبہ دیتا ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً　　میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

خدا کی اور ساری مخلوق اور رعیت اطاعت و عبادت کے ایک جبری ڈسپلن

میں کسی ہوئی ہے:۔

وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ　　حالانکہ جو کوئی آسمان اور زمین ہے خوشی

طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ۔　　یا لاچاری سے سب اسی کے تابع ہے۔

(آل عمران)　　اور اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

لیکن نوع انسانی کو اخلاقی و تمدّنی کے دائرہ محدود و خود مختاری سے نوازا

گیا ہے۔ خدا نے اس نوع کو اپنی طرف سے ایک روح ودیعت کی ہے۔

وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر)　　اور اس میں ہم نے روح اپنی پھونکی

(۳۱۔ ص۔ ۷۲)

اپنی صفات کا ایک پرتو اس پر ڈالا ہے۔ علم و شعور کا ایک نور اسے دیا

ہے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔　　اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام

(بقرہ۔ ۳۱)　　سکھائے۔

اور پھر ارادے کی فاعلانہ قوّت دے کر اسے زندگی کی امتحان گاہ میں

اتار دیا ہے تمام اجرام اور اجسام اور عناصر اور قوا کو اس کی ضروریات پوری کرنے کو

لگا دیا ہے۔ اور بے شمار مادی ذرائع و وسائل اس کے چارج میں دیدیئے گئے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ (الجاثیہ۔۱۳) — اور اس نے آسمانوں زمین کی سب چیزوں کو اپنے فضل سے تمہارے کام لگا دیا ہے

پوری سہولتیں انسان کے لئے پہنچا دی گئی ہیں۔ کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کو بنائے سنوارے اور ترقی کے راستوں پر جتنا بڑھ سکتا ہو آگے بڑھتا جائے۔ خلافت و نیابت کا یہ مقام پاکر آدمی عزتِ نفس (اور ذمہ دارانہ حقیقت کے احساس سے مالامال ہو جاتا ہے۔

اسلام انسانی شرف کی دوسری یہ بنیاد سامنے لاتا ہے۔ کہ انسان کو بہترین ساخت اٹھایا گیا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ۔ (التین۔۴) — اور بیشک ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔

اس کی فطرت میں کوئی رخنہ نہیں چھوڑا گیا۔ اس کے خمیر میں کوئی برائی حل نہیں کر دی گئی۔ کوئی گناہ اس کے سر پیدائشی طور پر چپکا نہیں دیا گیا۔ بدی کا کوئی۔ موروثی حساب ایسا نہیں ہے۔ جو نسلاً بعد نسل ایک ایک آدمی ناوے کے کھاتے میں منتقل ہوتا چلا آرہا ہو۔ ایک بے داغ فطرت ہے۔ جس کے اندر زندگی کے مختلف رجحانات اور تقاضوں کو اعتدال و توازن کے ساتھ سمویا گیا ہے۔ یہ آزادانہ فیصلہ کے تحت اقدام کرنے والی فطرت ہے۔ جس پر نہ نیکی زبردستی ٹھونسی جاتی ہے۔ نہ برائی جبراً چپکی جاتی ہے۔ اس معنی انسان کی ساخت بہترین ساخت

ہے۔ انسانی فطرت کا یہ تصور جب انسان کے سامنے آتا ہے۔ تو اپنے پر اس کا اعتماد قائم ہو جاتا ہے۔ اور نوع انسانی کا شرف و وقار اس کی نگاہوں میں بہت بڑھ جاتا ہے۔

اسلامی تعلیم کی رو سے انسانی شرف و عظمت کا اتنا پاس کیا گیا ہے۔ کہ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ہمیشہ خود انسان ہی ذریعہ بنائے گئے۔ آدمؑ سے ابراہیم علیہ السلام تک اور ابراہیم علیہ السلام سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو ہزارہا پیغمبر اور رسول قوم قوم اور دیس دیس میں ہماری تعلیم و تربیت کے لئے مامور کئے گئے وہ سب کے سب گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان ہی تھے۔ اس کام لئے نہ تو خود خدا کو خود اتر کے آنا پڑا نہ فرشتے ہی مقرر کئے گئے۔ اور نہ کسی دوسری مخلوق کو یہ منصب دیا گیا۔

اسلام کا خطاب کسی ایک گروہ اور نسل اور قوم کے لئے خاص نہیں ہوتا۔ بلکہ ساری انسانیت کے لئے عام ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ نبی نوع انسان ایک گھرانا اور ایک برادری ہیں :۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً. (البقرہ ۲۱۳) سب لوگ ایک دین پر تھے۔

اس نے کسی خاص عنصر کو اپنا چہیتا اور لاڈلا بنا کر نہیں پکارا۔ بلکہ اے انسانوں اور اے لوگوں!

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ ۔ الانفطار ۔۶۔ الانشقاق ۔۶۔

یاَ اَیُّھَا النَّاسُ ۔ البقرہ ۲۱ ۔ ۱۶۸ ۔ النساء ۔ ۱۷۰ ۔ ۱۷۵ ۔ یونس ۔ ۵۷ ۔ ۱۰۴ ۔ ۱۰۸ ۔ الحج ۔ ۱ ۔ ۵ ۔ ۴۹ ۔ السجدہ ۔ ۳۳ ۔ فاطر ۔ ۳ ۔ ۵ ۔ ۱۹ ۔ الحجرات ۔ ۱۳)

کہکر ساری اولاد آدم کو سچائی اور نیکی کا پیغام یکساں سنایا ہے، وہ سورج اور ہوا اور بارش کی طرح اپنا فیضان عام رکھتا ہے۔ وہ انسانیت کے مقابلہ میں اور کسی چیز کو وجہ احترام نہیں مانتا۔ وہ ان ساری تقسیموں سے انکار کرتا ہے جو انسان اور انسان کو اس میں کاٹتی اور ان میں چھوٹی اونچ نیچ پیدا کرتی ہیں۔ وہ ایک تقسیم کو مانتا ہے۔ اور عزت و ذلت کا ایک ہی معیار تسلیم کرتا ہے۔ یعنی کون سچائی اور نیکی میں آگے ہے۔ اور کون پیچھے ہے،

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات ۔ ۱۳)	بیشک تم میں سے زیادہ پرہیزگار اللہ کے کے نزدیک زیادہ مکرم ہے ۔
لَیْسَ لِاَحَدٍ فَضْلٌ عَلٰی اَحَدٍ اِلَّا بِدِیْنٍ اَوْ عَمَلٍ صَالِحٍ۔ (مسند احمد)	دین اور عمل نیک کے بغیر کوئی کسی پر فضیلت نہیں رکھتا۔

حد یہ کہ وہ مذہبی جتھا بندیوں اور ان کے نمائشی سائن بورڈوں کو بھی کوئی وزن نہیں دیتا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ہَادُوْا ... مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ... فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ۔	جو کوئی مسلمان اور یہودی اور نصرانی اور صابئی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اچھے کام بھی کرے تو ان کا اجر ان کے رب

(البقرہ - ۶۲) کے ہاں موجود ہے۔ اور ان پر نہ کچھ خوف ہوگا
اور نہ غمگین ہوں گے۔

بلکہ جو لوگ خود اس کا اپنا ٹھپہ ماتھے پر لگا کے آئے ہیں۔ انہیں بھی مجرد ظاہری ٹھپے کی بنا پر قابل قدر نہیں مانتا۔ وہ صرف یہ پوچھتا ہے۔ کہ چاہے تم گورے ہو چاہے کالے، تم چاہے سامی ہو یا حامی، تم چاہے مرد ہو، یا عورت، بتاؤ کہ سچا ایمان اور کھرا کردار کس کے پاس ہے۔ اور یہاں تک کہتا ہے۔ کہ جس نے انسانیت کو کاٹنے والے جاہلی عقیدہ کا نعرہ بلند کیا۔ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

مَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَایَۃٍ عِمِّیَّۃٍ یَغْضَبُ لِعَصَبِیَّۃٍ اَوْ یَدْعُوْ اِلٰی عَصَبِیَّۃٍ اَوْ یَنْصُرُ عَصَبِیَّۃً فَقُتِلَ قِتْلَۃً جَاھِلِیَّۃً (مسلم۔ نسائی)۔

جو شخص لڑے گمراہی کے جھنڈے کے نیچے دھڑا بندی کے لئے غضبناک ہو یا دھڑے بندی کی طرف دعوت دے یا دھڑے بندی کی مدد کرے گا۔ پس وہ جاہلیہ کی موت مرے گا۔

اسلام انسانی فطرت سے حسن ظن رکھتا ہے۔ اس کے دل و دماغ پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے فطری حق خودارادیت کا پورا پورا احترام کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اس سے اپنی بات جبر و اکراہ سے نہیں منواتا۔ بلکہ اس کی عقل کے سامنے سوچنے اور سمجھنے کے لئے سارا مواد رکھ دیتا ہے۔ اور صاف صاف سنا دیتا ہے کہ عقیدہ اور مذہب کے بارے میں کسی کو کسی (غیر مسلم) پر زبردستی کرنے کا حق نہیں ہے۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ (البقرہ-۲۵۶) دین کے بارے میں زبردستی نہیں۔

وہ پیچ در پیچ عقیدوں کی بھول بھلیوں میں نہیں ڈالتا۔ وہ کچھ انوکھے نظریوں پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانے کا مطالبہ نہیں کرتا۔ شعبدوں سے مسحور نہیں کرتا۔ اور دماغی کشتیوں کے دنگل جما کر لوگوں کو مغالطوں میں نہیں ڈالتا بلکہ سیدھا سیدھا افہام و تفہیم کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ (الحدید۔ ۱۷)

بیشک ہم نے تمہارے لئے دلائل کو واضح کر دیا ہے شاید کہ تم سمجھ جاؤ۔

وہ زندگی کے دوراہے پر کھڑا ہو کر آدمی کو حق و باطل کے دونوں راستوں سے آگاہ کر دیتا ہے۔ اور پھر کہتا ہے، جی چاہے تو اس ہاتھ مڑو۔ اور جی چاہے تو اس ہاتھ اقدام کرو۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الکہف۔ ۲۹)

پھر جو جی چاہے مان لے اور جو چاہے انکار کر دے۔

اسلام دنیا کے ہر سیاسی نظام کی طرح سیاست کے دائرہ میں بلاشبہ قوت کا استعمال کرتا ہے۔ لیکن عقیدے و مذہب کے دائرے میں وہ دلیل کے سوا کسی دوسری طاقت کی ایک رمق بھی استعمال نہیں کرتا۔ یہ انسانی اختیار کا احترام ہے۔ اور اس کی آزادی ضمیر کی پاسبانی ہے۔ بخلاف اس کے اگر کسی مذہب نے لٹھ چلا کر بات منوانے کا طریقہ اختیار کیا ہو تو وہ گویا انسانی شرف و احترام کا خاتمہ کر کے رکھ دے گا۔

اسلام انسان کو ایک خدا تعالےٰ کی بارگاہ پہ پہنچا کر دوسری تمام بارگاہوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہ انسان کے سامنے ایک مرکز روح ایسا رکھتا ہے۔ جس کے سامنے سجدہ عبادت بھی گزارتا ہے۔ اور جس کے آگے دامن دعا بھی پھیلاتا ہے

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۔ تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

اور جس سے پوری کی پوری زندگی کی ہدایت اور ضابط

ان ھُدَی اللہِ ھُوَ الْھُدیٰ ۔ (الانعام ۷۱) بیشک ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے

اور قانون بھی لیتا ہے۔ یہاں مذہب اور دینداری کی تقسیم نہیں۔ یہاں خدا اور قیصر کے درمیان کوئی بٹوارہ نہیں۔ یہاں پبلک اور پرائیویٹ دو زندگیاں نہیں ایک ہی زندگی ہے۔ اور اس کا ایک ہی مالک اور فرمانروا ہے۔ یہ تصور توحید انسان کو خودداری اور شرف کے اونچے مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔ خدا تعالےٰ اور انسان کے درمیان یہاں کوئی پردہ اور روک حائل نہیں۔ یہاں بیچ میں کوئی واسطہ اور سفارشی اور وکیل نہیں۔ یہاں مذہبی اجارہ داروں کے کسی طبقہ کی اتھارٹی نہیں چلتی۔ یہاں پروہتوں اور پجاریوں کی مسندیں راستے میں رکاوٹیں نہیں ڈالتیں۔ یہاں خدا تعالےٰ اپنے بندوں کو پکار پکار کہتا ہے۔ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (الحدید ۴) جہاں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہے

میں تمہارے قریب ہوں۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ	جب تجھے میرے بندے میرے متعلق سوال
فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ (البقرہ)	کریں تو میں نزدیک ہوں۔

مجھ سے براہ راست رابطہ پیدا کرو یہ تصور توحید انسان کو خدا تعالیٰ سے اتنا قریب کر دیتا ہے۔ کہ اس کی قدر و قیمت خود اپنی نگاہوں میں بہت بڑھ جاتی ہے۔ اسلام انسان کو ایسی مذہبی زندگی میں نہیں ڈالتا جو اسے ذلّت و کہتری کے احساس میں مبتلا کر دے۔ وہ اسے مضحکہ اور نمائشی نہیں بناتا۔ وہ اسے گندا اور ننگ دھڑنگ رہنا نہیں سکھاتا۔ وہ اسے اپنے دورے پیچھے گھسٹتے رہنے کا درس نہیں دیتا۔ وہ نہیں کہتا کہ خدا تعالیٰ کو حاصل کرنے کے لئے دنیا کی ساری ذمہ داریوں کو تج کر جنگلوں میں ٹکریں مارتے پھرو۔ وہ نہیں سکھاتا کہ نیک بننے کے لئے آدمی کو تمدنی فرائض سے بھاگ کر عبادت گاہ کی تاریک کوٹھڑی میں چشم و گوش بند کر کے پڑے رہنا چاہئے۔

وَرُهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَا	اور ترک دنیا جو انہوں نے خود ایجاد کی ہم
هَا عَلَيْهِمْ (الحدید ۲۷)	وہ ان پر فرض نہیں کی تھی۔
اَلْمُسْلِمُ الَّذِیْ یُخَالِطُ النَّاسَ	مسلمان کامل وہ ہے جو لوگوں سے میل جول
وَلَیَصْبِرُ عَلٰی مَا اٰذَاهُمْ (ترمذی)	رکھے اور ان سے تکالیف پر صبر کرے۔

بخلاف اس کے اسلام کا مذہب تمدّن انسان کا مذہب ہے۔ وہ ایسے

صاف و ستھرا خوش ذوق اور خوش پوش

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أَخْرَجَ	کہدو اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے
لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ	جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی
(الاعراف۔۳۲)	ہے اور کس نے کھانے کی ستھری چیزیں
	(حرام کیں)

دنیا کے کاموں میں مصروف:۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔	اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول۔

تمام انسانی رشتوں کے حق ادا کرتا ہوا معاشی جدوجہد میں سرگرم:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي	اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ
الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ	داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی
وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ	ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پاس بیٹھنے والے
وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ	اور مسافر اور اپنے غلاموں کے ساتھ بھی
وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ (النساء۔۳۶)	نیکی کرو۔
وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ)	اور اللہ کا فضل تلاش کرو

علم و فکر کے لحاظ سے ترقی کی راہ پر گامزن:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ فِي الصِّيْنِ	علم کو طلب کرو اگرچہ چین میں ملے ہر مسلمان
وَطَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ	مرد اور عورت پر لبند ضرورت علم کا

وَمُشِیلَتۃٍ ۔ (مشہور حدیث) طلب کرنا ضروری ہے۔

اور مشکلات ورکاوٹوں کے خلاف معروف جہاد دیکھنا چاہتا ہے:۔

اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُکَ وَاسْتَعِنْ نفع دینے والی چیز پر لالچ کر اور اسی پر

بِاللّٰہِ وَلَا تَعْجِزْ۔ (الحدیث ریاض اللہ تعالےٰ سے مدد طلب کر

الصالحین باب فی المجاہدین)

وہ صرف یہ تقاضا کرتا ہے۔ کہ ساری اجتماعی سرگرمیاں خدا تعالےٰ کے مقرر

کردہ اخلاقی وقانونی حدود کے اندر رہنی چاہئیں۔

وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ۔ اور اللہ تعالےٰ کی حدوں کی حفاظت

(التوبہ - ۱۱۲) کرنے والے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس تصورِ مذہب کے تحت انسان کو اپنی قدر و منزلت کا

ایک نیا احساس حاصل ہوتا ہے۔ اس مذہب انسانیت میں انسانی جان کا

احترام نظام تمدن کی ایک اہم بنیاد ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس کسی نے ایک انسانی

جان کو بھی قانونی حق کے بغیر ہلاک کیا گویا ساری انسانیت کو ہلاکت کے خطرہ

میں ڈال دیا۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا

فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ

النَّاسَ جَمِیْعًا۔ (المائدہ ۵-۳۲) سے قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل

کر دیا۔

اس معاملہ میں اسلام اتنا احساس ہے۔ کہ اگر اس کا کوئی بڑے سے بڑا ماننے والا اس مذہب کے کسی مخالف کو بھی ناحق قتل کر دے تو وہ اس اپنے آدمی کے خلاف قانونی کارروائی پوری کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جان کے بعد اسلام میں انسانی ملکیت کا احترام ہے۔ اور کسی طاقت کی مجال نہیں کہ اس کے نظام میں کسی دوسرے کا ایک تنکا بھی ناجائز طور سے لے سکے۔

وَلَيْسَ لِلْإِمَامِ اَنْ يَّخْرُجَ شَيْئًا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِحَقٍّ ثَابِتٍ۔	امام کو حق نہیں پہنچتا کہ کسی سے کوئی شی حاصل کرے بغیر حق ثابت کے

(کتاب الخراج ص۶۶)

اس طرح وہ ہر انسان کی عزت و عصمت کا محافظ بنتا ہے۔ پھر وہ رائے اور خیال کی آزادی کے حق کا پاسبان ہے۔ کوئی رائے رکھنے، اسے ظاہر کرنے، کسی عقیدے کو اختیار کرنے اور اس کے مطابق مذہبی عبادات و مراسم بجالانے اور حکمران طاقت سے اختلاف کرنے اور اس پر تنقید کرنے کا پورا پورا حق تسلیم کرتا ہے۔ انسانی آزادی کا اس حد تک احترام ملحوظ کہ وہ باضابطہ قانونی کارروائی کے ذریعے جرم ثابت ہوئے بغیر کسی شخص کو قید کرنے، یا اس کی نقل و حرکت پہ پابندی عائد کرنے کا کسی کو حق نہیں دیتا۔

لَا يُؤْسَرُ رَجُلٌ فِي الْاِسْلَامِ بِغَيْرِ الْعَدْلِ۔ (قول عمرؓ)	کسی آدمی کو بھی اسلام میں بغیر حق کے قید نہیں کیا جا سکتا۔

تمام انسانوں کو قانون کی نگاہ میں ایسی معیاری مساوات عطا کرتا ہے۔ کہ ایک معمولی شہری اور صدر حکومت کو اس نے عالم واقعہ میں ایک سطح پر لا کر کھڑا کیا

يَا عَلِيُّ اِذَا جَلَسَ اِلَيْكَ الْخَصْمَانِ فَلَا تَقْضِ بَيْنَهُمَا حَتّٰى تَسْمَعَ مِنَ الْاٰخِرِ كَمَا سَمِعْتَ مِنَ الْاَوَّلِ۔ (ابو داؤد۔ ترمذی)	اے علی جب خصمان تیری طرف فیصلہ کرانے کے لئے آئیں جب تک تو دونوں کی بات نہ سن لے۔ ان کے درمیان فیصلہ نہ کرنا۔

پھر اسلام اپنے ماننے والوں کے منظم معاشرہ کو ایک ایسا نظام معیشت قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے جو سارے نسل و مذہبی امتیازات سے بالاتر ہو کر محتاج اور ضرورت مند کو سہارا بہم پہنچائے۔

وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (الذاریات۔ ۱۹)	اور ان کے مالوں میں سوال کرانے والے اور محتاجوں کا حق ہوتا تھا۔

پھر انسانی احترام کی یہ حد ہے۔ کہ اپنے دشمن سے میدان جنگ میں لڑتے ہوئے بھی اسلام اس سے روکتا ہے کہ عورتوں اور بڈھوں اور بچوں اور عام شہری آبادی پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ کسی کی نعش کی بے حرمتی کی جائے۔

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ (السنۃ الا النسائی۔)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے منع کیا ہے۔

اِذَا قَاتَلَ اَحَدُ کُمْ فَلْیَجْتَنِبِ الْوَجْہَ ۔ (الحدیث) — جب تم میں سے کوئی قتال کرے تو چہرے کو بچائے ۔

اسلام انسانوں کی خدمت کا ایک وسیع پروگرام سامنے رکھتا ہے مثلاً رشتہ دار اور دوسرے قرابت داران اور پڑوسی وغیرہ کے متعلق اسلام کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں پیٹ بھر کر سوئے کہ اس کا پڑوسی فاقہ میں مبتلا ہو تو ایسے شخص کا دین و ایمان بے معنی ہے ۔

لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ (الحدیث مشکوٰۃ) — وہ مومن کامل نہیں ہے جو پیٹ بھر کے کھائے اور پڑوس میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو ۔

اسلام نے سچائی اور نیکی کا تاریخی معیار ہی انسانوں کے بھلے کو قرار دیا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ تاریخ میں اسی مسلک و نظریہ کا چلن ہوتا ہے اور وہی روایات اور قدریں زندہ رہتی ہیں جو انسانیت کی خیر و فلاح کا ذریعہ ہوں ۔ باقی جو کچھ ہے وہ کھوٹ میل ہے جسے تاریخ کی کٹھالی جلا کر راکھ کر دیتی ہے ۔

فَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ۔ (الرعد - ۱۷) — اور جو لوگوں کو فائدہ دے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے ۔

اسلام گھر کی چار دیواری سے لے کر حکومت کے ایوان تک اور

اندرونِ ملک کے معاملات سے لے کر بین الاقوامی سرگرمیوں تک مسلمانوں کو انسانیت و دوستی کی روح سے بھرا ہوا ایک وسیع نصب العین دیتا ہے۔ وہ مسلمان سے چاہتا ہے۔ کہ وہ اپنی زبان، اپنے ہاتھ پاؤں، اپنے دماغ، اپنے قلم اور اپنے روپے پیسے کی ساری قوتیں اس مہم میں لگا دے کہ سچائی اور نیکی کا پیغام ہر انسان تک پہنچے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ (آل عمران - ۱۰۸)	تم سب اُمتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئیں، اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔

اور جھوٹ اور ظلم اور بُرائی اور فساد کا زور ٹوٹ جائے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ ۔ (الانفال - ۳۹)	اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ شر کا غلبہ نہ رہنے پائے۔

وہ اس پر مطمئن نہیں ہوتا کہ مسلمان ذاتی حد تک کچھ جزوی نیکی سینے سے لگائے، بدی کے اجتماعی ماحول میں امن و چین سے پڑا رہے، لیکن وہ تقاضا کرتا ہے اپنے دوسرے سب بھائیوں کی بھلائی کے لئے کسی بھی نظامِ فاسد کے خلاف تبدیل کی جد و جہد کرے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ	اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ (الصف ۹) دینوں پر غالب کر دے۔

اس قسم میں اسلام یہ سکھاتا ہے کہ انسانی بھلائی کے کسی بھی نیک کام کے لئے بغیر کسی تعصّب کے ہر انسان طاقت سے تعاون کرے اور انسانی بھلائی کے خلاف پڑنے والے غلط کاموں میں کسی عزیز سے عزیز اور قریبی سے قریبی کا بھی ساتھ نہ دے۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ-۲)

اور آپس میں نیک کام اور پرہیزگاری پر مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو۔

اس قسم کی بنیاد اسلام نے خالص انسانی محبت و اخوت کے جذبے پر رکھی ہے۔

حضرات! ان چند مختصر اشارات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے انسان کو کائنات میں کیا مرتبہ اور مقام دیا ہے۔ پس خاتمہ کلام کے طور پر ایک جملہ باقی ہے وہ یہ کہ اسلام ان محدود معنوں میں مذہب نہیں ہے جن معنوں میں یہ لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے۔ بلکہ وہ ایک دین یا ایک نظام زندگی ہے اس کی بنیاد پر کوئی جامد فرقہ نہیں پیدا ہوتا بلکہ ایک متحرک پارٹی تشکیل پاتی ہے۔ وہ کوئی مذہبی مشن نہیں کھڑا کرتا بلکہ ایک بین الانسانی تحریک بپا کرتا ہے۔ وہ مجرد وعظ نہیں سناتا۔ عملی مسائل کو اپنے ہاتھ سے حل کرنا چاہتا ہے۔ وہ کسی [illegible] نہیں چاہتا بلکہ وہ ذہن و کردار کی مکمل تبدیلی مانگتا ہے۔ اسی [illegible]

افراد پیدا کر دینا نہیں ہے وہ نیکی کا ایک جہانی نظام سیاست وتمدن وجود میں لانا چاہتا ہے۔

تنبیہ۔ یہ مضمون عیسائیوں کے جلسہ میں پڑھا گیا تھا[1]

وحدتِ انسانیت

قرآن مجید نے انسانیت کی وحدت واخوت کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔

خَلَقْنَا کُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی ۔ یعنے ہم نے سب انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

تمام نوع انسانی ایک ہی نسل، ایک ہی خاندان اور ایک ہی گھرانا ہے پس جب فی الحقیقت نہ تو نسل میں امتیاز ہوا۔ کہ نسل ایک ہی ہے نہ وطن میں تفریق ہوئی ہے کہ وطن بھی سب کا ایک کرہ ارض ہے تو پھر ان میں ایک گروہ دوسرے گروہ سے کیوں الگ ہو۔ کیوں ایک ہی خاندان اور ایک گھرانے کے رشتہ دار ایک دوسرے سے کٹ کر غیر اور اجنبی بن جائیں۔ اس بارہ میں اسلام کی بنیادی تصریحات اس قدر مشہور و معلوم ہیں کہ یہاں ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کے داعی اول کی تعلیم کا جو کچھ حال تھا وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ آپ نے نسل وحدت کے غرور و تنگ نظری کو عصبیت جاہلیت سے تعبیر کیا ہے اور بار بار اعلان کر دیا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو نسل اور قوم کے تعصب کی

[1] ترجمان القرآن بتغیر ما۔

طرف دعوت دے ۔ وہ ہم میں سے نہیں جو تعصب کی بنا پر کسی دوسری جماعت سے لڑائی لڑے۔ اپنی زندگی کے آخری حج حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں وصیت دیتے ہوئے فرمایا۔ آج کے دن سے قومیت و نسل کے سارے امتیاز مٹ گئے اب نہ کسی عرب کو، عرب ہونے کی وجہ سے عجمی پر فضیلت ہو سکتی ہے عجمی کو عربی پر؟ فضیلت اسی کے لئے ہے جو اپنے عمل میں فضیلت رکھتا ہو۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے سب ایک درجہ کے ہیں اور ایک ہی صف میں ہیں۔

اور آپ نمازوں کی دعاؤں میں یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے اے اللہ میں گواہ ہوں کہ تیرے سارے بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ داعی اسلام توحید اور رسالت کے بعد جس حقیقت کا اعلان کرنا چاہتا تھا وہ انسان کی انسانی برادری تھی۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جو ہر طرف جھٹلائی جا رہی تھی اس لئے ضرورت تھی کہ اس پر گواہی دی جائے گواہی اس چیز پر قائم کی جاتی ہے جو اہم ہو اور یقینی ہو۔ انسان کی عالمگیر اخوت کی راہ میں سب سے بڑی روک چار چیزیں تھیں۔ وطن، نسل رنگ اور زبان انہی چار امتیازات کی بنا پر الگ الگ حلقے بنائے گئے تھے۔ اور انسانیت کا ایک دائرہ بیشمار چھوٹے چھوٹے دائروں میں بٹ گیا تھا۔ اسلام نے صرف ان سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ ان کے خلاف اس درجہ واضح اور قطعی اعلان کر دیئے کہ کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ نسل کی نسبت صاف

صاف کہدیا کہ سب کی نسل ایک ہی ہے۔ وطن کی نسبت کہدیا کہ عرب ہو یا عجم سب ایک ہی خدا کی زمین کے باشندے ہیں۔ زبان اور رنگ کی نسبت فیصلہ کردیا کہ خدا کی قدرت وحکمت کی نشانیاں ہیں۔ کسی جگہ کی آب وہوا ایک رنگ پیدا کرتی ہے کہیں کی آب وہوا دوسرا رنگ کہیں خاص طرح کی زبان ادائے مطلب کے لئے وجود میں آگئی کہیں دوسری زبان۔ لیکن یہ امتیازات انسان کے اختلافات اور تفرقہ کی بنیادیں نہیں ہیں۔ اس بارہ میں بیشمار چیزیں کھولنے اور بیان کرنے کی ہیں۔ لیکن یہاں ذکر ضمناً آگیا ہے اس لئے صرف مختصر اشارات پر اکتفا کیا گیا۔

اسلام کو اپنی اس دعوت میں کہاں تک کامیابی ہوئی۔ انسانی برادری کا گم گشتہ حلقہ قائم ہوا یا نہیں؟ یہ بھی تفصیل طلب ہے۔ مگر یہ موقع نہیں! لیکن تاریخ شاہد کا یہ فیصلہ بلا نزاع مسلم ہے کہ عرب کی نسلی اور وطنی عصبیت پر ایسی ضرب کاری لگی کہ پھر سر نہ اٹھا سکے۔ عرب کے باہر جہاں اسلام پہونچا ایک ایسی انسانی اخوت کی دعوت جو وطن اور نسل امتیازات سے بالاتر تھی اس کے ساتھ ساتھ گئی (آٹھویں صدی عیسوی میں جب یورپ کی اجتماعی زندگی عائلہ اور قبیلہ کی سرحد سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ اسلام اسپین اور فرانس میں انسانی اخوت کا پیغام سنا رہا تھا۔)

اس نے ایک ایسا عالم گیر معاشی نظام قائم کردیا جو ہر طرح کی نسلی و وطنی ہر تعصبات سے بالاتر ہے اور جس کی بنیاد انسانی اخوت و وحدت پر ہے قرون

وسطیٰ (   ) کے بعد یورپ کے تمدن کا نیا دور شروع ہوا۔ اور اس نے قومیت و جنسیت کا صور اس زور سے پھونکا کہ تمام دنیا اس کی صدائے بازگشت سے گونج اٹھی۔ اب انسانیت کی راہ میں قومیت و جنسیت کی کڑی حائل ہو گئی ہے۔ لیکن اسلام نے اب سے تیرہ سو برس پہلے ہی یہ تمام کڑیاں طے کر لی تھیں۔ اگر کہا جائے کہ اسلام کی دعوت سے بھی انسانیت کا تمام حلقہ پیدا نہ ہو سکا بلکہ اسلامیت کا ایک نیا حلقہ بن گیا تو یہ صحیح ہے۔ لیکن چند حقیقتیں تسلیم کرنی پڑیں گی۔ اولاً یہ کہ یہ قصور زمانے کی استعداد کا ہے۔ تاکہ اسلام کی دعوت کا مختلف وجوہ سے، دنیا کو عملاً منزلِ انسانیت تک پہونچنے کے لئے ابھی بڑا وقت درکار ہے۔

اگرچہ اسلامیت کا ایک نیا حلقہ بن گیا مگر کیسا وسیع حلقہ ایسا وسیع حلقہ کہ اس وقت تک کے تمام اجتماعی حلقوں میں سب سے زیادہ وسیع حلقہ ہوا ہے۔ بیشک وہ بھی ایک چار دیواری کھینچ دینے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن کیسی چار دیواری ایسی درجہ وسیع چار دیواری کو دنیا کے بنائے ہوئے احاطے اس کے پھیلاؤ کے اندر آ گئے۔ اس نے کسی گوشے کسی دائرے، کسی حیات اجتماعیہ (سوسائٹی) کو بھی اپنی چار دیواری کے باہر رہنے نہیں دیا۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم اسلامی دعوت نے انسانی اجتماع کا ایک ایسا دائرہ پیدا کر دیا جو نوع انسانی کے تمام پچھلے دائروں سے اوپر صرف ایک دائرہ سلسلۂ انسانیت سے نیچے ہے وہ انسان کو نچلے درجوں سے بلند کر کے ایسی سطح تک پہونچا دیتا ہے جہاں

سے انسانیت کی آخری بلندی صرف ایک درجہ بلند ہے۔ وہ دنیا کے قدم اس درجہ پر پہنچا دیتا ہے جہاں صرف ایک قدم آگے بڑھنا رہ جاتا ہے حالانکہ دنیا کی تمام قوموں کے لئے ابھی منزلوں کی منزلیں باقی ہیں۔

اس اعتبار سے اگر رشتہ ہائے اجتماع انسانیت کی تمام کڑیوں پر نظر ڈالی جائے تو ان میں ایک نئی کڑی ساری کڑیوں سے اوپر مگر آخری انسانیت و ارضیت سے نیچے بڑھا دینی پڑے گی اور اسی سلسلہ ارتقائی کی نو منزلوں کی جگہ دس منزلیں بن جائیں گی۔ یکذا، امومیت، ابوہ، عائلہ، قبیلہ، بلدیت وطنیت، قومیت جنسیت، برا عظمیت یا تقسیم بلحاظ جغرافیہ، اسلامیت انسانیت وارضیت۔ اسلامیت کی سرحد، انسانیت کی سرحد سے متصل ہے۔ اگر دنیا چاہئے تو صرف ایک قدم میں منزل مقصود تک پہنچ جا سکتی ہے۔

اقوام متحدہ کو عالمی نظام حیات کی پیشکش

نمائندین اقوام متحدہ! زمانہ کے انقلاب اور اس کے ارتقاآت نے آپ حضرات کو اس مقام پر پہونچا دیا ہے جس کو ادارہ اقوام متحدہ سے تعبیر کیا جا رہا ہے یہاں تک آپ خود نہیں پہنچے بلکہ آپ کو پہونچایا گیا ہے ضروری ہے کہ آپ اس مقام بلند کے تقاضوں کو سمجھیں اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ اپنی سابقہ نظروں اور فکروں کو بدلیں۔ طرز اعمال کو بدلیں۔ خیالات و

تصورات کو بدلیں اپنے اصول و قوانین کو بدلیں، اپنے قلوب اور دماغوں کو بھی بدلیں بلکہ خود اپنے آپ کو بھی بدلیں۔ حضرات آپ دنیا کو کیا فتح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ پہلے اپنے پر دسترس حاصل کریں مقابل کی طاقتوں کو شکست دینے سے پہلے خود اپنے کو فتح کریں۔ انسانوں کے مشکلات میں گھر جانے کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے کائنات کو سمجھنا پہلے چاہا۔ پہلے اپنے آپ کو شناخت کرنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر انسان ایسا کرتا تو اپنے لئے مشکلات پیدا نہ کرتا اور نہ ہی مخلوقات کی کسی چیز کے سامنے جھکتا اور سجدہ ریز ہوتا ہر ایک انسان اگرچہ اس سلسلہ میں کچھ بھی کہے اور کوئی بھی عذر پیش کرے مگر غور و فکر کرنے پر اس کا دل اور ضمیر گواہی دیتا ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز سے فائق ہے ...... اور ہر چیز اس سے کم مرتبہ ہے۔ صرف وہی ہستی اس سے فائق اور بلند ہے۔ جس نے اس کو پیدا کیا اور ساری کائنات کو پیدا کیا بہرحال تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ قرون وسطے سے جو کچھ آج تک ہوا انسان کی خود ناشناسی سے ہوا۔ یہ کیسی تلخ حقیقت ہے کہ اس بلند و سلیج ترین روشن زمانہ اور عہد کے بڑے لوگوں نے بھی انہی سابقہ غلطیوں کو اختیار کئے رکھا ہے جن سے وہ موجودہ مشکلات میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضرات! وہ عالمی نظام حیات جس کی آپ کو تلاش ہے وہ انسانی ساختہ چیز نہیں ہو سکتی اور وہ دنیا کے تنگ نظر ذہنوں سے کبھی بھی وجود نہیں پا سکتا

یہ وہ چیز ہے جس سے عقل انسانی ہمیشہ نا آشنا رہی ہے۔ اور آج تک نا آشنا ہے۔ انسان کی محدود عقل وفکر سے یہ چیز مرتب نہیں کی جا سکتی۔ ایسا نظام حیات صرف مذہب ہی پیش کر سکتا ہے لہذا آپ حضرات کو مذہب ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے اس کے بغیر کوئی صورت بھی کامیابی کی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ دنیا ملک بے خدا نہیں ہے یقیناً اس کا خدا ہے جو اس کو وجود میں لایا ہے۔ پس جیسا کہ اس خدا نے موجودات عالم کے بقا ونشوونما کے لئے ہر اس چیز کی فراہمی کا انتظام کیا ہے جس کی ضرورت کا تصور کیا جا سکتا اسی طرح اس خدا نے اس سب سے اہم اور بڑی ضروری چیز نظام حیات کا بھی خود ہی بندوبست کر دیا ہے جس کے بغیر پوری نوع انسانی کی زندگی غارت ہو جانے والی تھی۔ پس جب کہ کسی مذہب کا اختیار کرنا ضروری ہے تو ہم آپ کے سامنے مذہب اسلام کو پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ خدائی مذہب کی اصلی حقیقت اور صورت میں صرف اسلام ہی ایک دنیا میں موجود ہے بلکہ اسی نے ہی آئندہ تک باقی رہنا ہے اس سے پہلے مذاہب زمانی اور مکانی تھے وہ اپنے وقت میں موجود ہو کر ختم ہو چکے اور اسلام نے ہی ان کی صداقتوں کو بھی اپنے اندر لے لیا ہے بہرحال اسلام ہی ہے جو اس وقت دنیا میں موجود ہے لہذا اب اس کو اختیار کرنے سے چارہ نہیں ہے اب مشکلات کے حل کی یہی تدبیر ہے کہ اوپر کی مذکورہ بالا حد بندیوں کو توڑ کر اور اسلامی اصول کو اختیار کر کے تمام قومیں انسانیت کے دائرہ میں اکٹھی ہو کر آزاد ہو جائیں۔

کیونکہ اسلام کسی انسان کو غیر یا اپنا نہیں سمجھتا وہ جغرافیائی اور وطنی مذہب نہیں ہے اس کی نظر میں اپنا وہ ہے جو غیروں کو اپنا سمجھے اور غیر وہ ہے۔ جو انسانوں میں غیریت پیدا کرے آقاؤں کی تبدیلی آزادی نہیں ہے، اپنوں کی حکومت خود مختاری نہیں ہے۔ آزادی یہ ہے کہ تمام انسان مل کر اس الٰہی قانون کو مانیں جو نوع بشری کے ہر فرد کو ایک صف میں کھڑا کرتا ہے اور انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلاتا ہے۔ آزادی یہ ہے کہ انسان کا دستور اساسی اِنِ الحکم اِلَّا لِلّٰہِ ہو اور اس کی گردن خدا کے قانون کے سامنے جھکے۔ جب آپ نے کہا کہ ہم جس خالق و مالک کا پانی پیتے ہیں جس کی زمین پر چلتے ہیں جس کی ہوا میں سانس لیتے ہیں۔ اور جس کے آفتاب و ماہتاب سے مستنیر ہوتے ہیں! اسی کے قول کو مانے گے اسی کے قانون پر چلیں گے اسی کے ارشاد کو قانون و دستور اساسی بنائیں گے اور اسی کی ہدایات ہمارے نظام حیات کی تشکیل کریں گے۔ تو آپ اسی وقت آزاد ہو گئے۔ اور آپ کی غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں۔

غیر مسلم برادران کی خدمت میں گزارش

اوّل تو سو فی صدی حق بات یہ ہے کہ مذہب اسلام ساری دنیا کا مذہب ہے اس کو اختیار کرنا اپنی چیز کو اختیار کرنا ہے کسی کا ممنون احسان نہیں ہونا پڑتا لیکن اگر آپ لوگوں کو بلا وجہ اور بلا دلیل اسی پر اصرار ہے کہ اسلام مسلمانوں

کا مذہب ہے۔ تو پھر گذارش یہ ہے کہ کسی بات یا طریقے کو قبول یا رد کرنے کا
سوال تو بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس طرزِ عمل کو آپ کیسے صحیح کہہ سکتے ہیں
کہ انسان برائے شگون کے لئے اپنی ناک کٹوائے اور بھلائی کو صرف اس لئے
جاننے کی بھی کوشش نہ کرے کہ ایک دوسرا شخص بھی جس سے اسے کسی بنا پر نفرت ہو
گئی ہے۔ اسے اختیار کئے ہوئے ہے۔ کیا آپ اس تعصب کی وجہ سے جو مسلم
قوم سے آپ کو دنیاوی اغراض کے لئے مدتوں کی کشمکش سے پیدا ہو گیا ہے
ان سب فلاح کے اصولوں اور سچائیوں اور بھلائیوں کو چھوڑ دیں گے جنہیں
انہوں نے اختیار کر رکھا ہے یا جن کی نسبت انہوں نے اپنی طرف کر رکھی
ہے ظاہر ہے کہ اس کو تو کوئی عاقلانہ رویہ نہیں کہا جا سکتا نیکی اور بھلائی
اور فلاح کی راہ تو انسان کو دوست، دشمن جہاں سے ملے حاصل کرنی چاہئے
تعصبات کے لئے مسلمانوں کی ذہنیت میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ دنیا کی تمام
علمی و تمدنی ذخیرہ کو خواہ کسی قوم اور ملک سے تعلق رکھتا ہو اپنا ورثہ سمجھتے ہیں حضرت
عمر فاروق رضؓ نے بے شمار معاملات میں غیر قوموں کے علمی اور تمدنی اصول معلوم
کئے اور ان میں جو باتیں کار آمد و ضروری نظر آئیں بلا تامل اختیار کر لی ہیں جب
کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آتا وہ ایرانیوں، رومیوں اور مصریوں کو بہ اصرار طلب
کراتے اور ان سے مشورہ لیتے۔ دفاتر حکومت کی تقسیم اخراج و محصول و تعین
اراضی کی پیمائش اور تشخیص، خزانہ کا قیام، حساب و کتاب کے اصول و قواعد

کا تتبع کیا گیا۔

عرب ان پڑھ تھے انہوں نے سب قوموں کے علموں کو سر آنکھوں پر لگایا۔ ان کا کوئی بندھا ٹکا نظام و تمدن نہ تھا۔ انہوں نے تمام تمدنوں کو کھنگالا اور خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ پر عمل کرتے ہوئے سب تمدنوں کے اچھے پھل لئے اسی طرح انہوں نے عیسائیت، یہودیت، مجوسیت اور صابیت سب کو ایک آنکھ سے دیکھا اور سب کو برملا طور پر کہہ دیا کہ انسان خواہ کوئی بھی ہو جو انسانیت کے بنیادی اصولوں کو مان لے وہ اچھا انسان ہے نام نسل، رنگ اور گروہوں کے امتیازات سب باطل ہیں۔ دوسرے معنوں میں عربوں نے انسانیت کو جو ٹکڑوں ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی اس کا شیرازہ پھر از سر نو باندھ دیا اور الگ الگ اور باہم مخالف اور متخاصم قوموں کو ایک صحیح بین الاقوامی نظام دیا بقول مولانا عبید اللہ سندھی یہی اسلام کا عالمگیر انقلاب تھا۔

بہرحال جب مسلمانوں سے تعصب کی بنا پر آپ نے وہ معشیت و معاشرت اور وہ کاروبار نہیں چھوڑے جو مسلمان بھی کرتے ہیں تو آخر انسانی فلاح کے ان.... اصولوں کو جن کا نام عربی زبان میں الاسلام یعنی اللہ کی اطاعت پر مبنی نظام زندگی ہے۔ صرف اس بنا پر کیوں چھوڑے ہوئے ہو کہ مسلمانوں نے اسے اپنا دین کہنا شروع کر دیا ہے۔ اور وہ بھی اسے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اسلام کسی کی آبائی جائداد نہیں یہ تو اس کا ہے جو اس پر چلے۔ ایشیاء کے لوگ اس پر چلیں

توان کا ہے۔ یورپ کے لوگ اسے اختیار کریں تو ان کا ہے۔ کسی ملک یا قو
اور خاندان کی بنا پر اسے کوئی تعلق یا نفرت نہیں۔ اسے بس اس راہ پر
چلنے والے کی ضرورت ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مسلمانوں کا تو وجود ہی اسلا
سے قائم ہوا ہے اس سے پہلے مسلمان دنیا میں کہاں موجود تھے۔

بہرحال اہالیانِ اقوام متحدہ و دیگر غیر مسلم اقوام اگر امن پسندانہ پالیسی کا
تسلط چاہتے ہیں۔ امنِ عالم عالمگیر محبت بین الاقوامی مفاہمت بین الاقوام
امن، باہمی اخلاص و دوستی کا رشتہ، سب کی بھلائی اور سب کے ساتھ ہمدر
اور انسانی حقوق کا احترام چاہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے اپنے چارٹر میں کہا ہے تو آپ
اسلام کو جو سب کا مذہب اور سب کا دین اور سب کے لئے ضابطہ حیات مکم
ہے۔ صرف اسلام ہی کو ہی اپنائیں۔ اور اس کو بیشک عقلیت و علمیت اور ہر
اس معیار پر جو اس کے پرکھنے کے لئے مناسب ہو پرکھ کر دیکھے اسلام یہ نہیں
کہتا کہ مجھے آنکھ بند کر کے مان لیا جائے۔ قرآن نے کہا:۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۲/۱۰۸)

کہہ دیجئے کہ میرا جو یہ راستہ ہے تو میں اس کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی طرف علیٰ وجہ البصیرت بلاتا ہوں بصیرت کی روشنی میں دعوت میرا کام ہے اور یہی کام میرے پیروکاروں کا بھی ہے خدا تعالیٰ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اس آیت کی تشریح انقلاب انگیز مکتوب کے صفحہ ۱۳۰ پر درج ہے دیکھ لیا جائے۔

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا

اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ یہ نعرہ سب سے پہلے مشنری مصنفین یورپ نے بلند کیا تھا۔ اور مقصد یہ تھا کہ یورپ میں مذہب کی نشاۃ ثانیہ کے بعد عیسائیت کو اسلام کی طرف سے جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا مسیحیت کو اس سے محفوظ رکھا جائے۔ مشنری مصنفین نے اس کا چرچا اس زور و شور سے کیا کہ انگلستان کا ہر مس میمین بدن بھی کہنے لگی ؎

بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لیکن آخر یورپ میں علم و سائنس کی روشنی پھیلی اور مذہبی تعصب و تنگ نظری کے بجائے تاریخی حقائق و واقعات کا سنجیدہ شعور و فکر پیدا ہوا۔ خود یورپ میں کارلائل ایسے انصاف پسند مصنفین اور اعتراف پیدا ہوئے جنہوں نے اس بے بنیاد الزام کی تردید کی۔ اور اسلام کے محاسن و فضائل کا برملا اعتراف کیا اور صرف اس قدر نہیں بلکہ ڈاکٹر ڈبلیو، آرنلڈ نے نو سالہائے دراز کی محنت و تحقیق کے بعد دعوت اسلام" دی پریچنگ آف اسلام" کے نام سے ایک ایسی ضخیم اور محققانہ کتاب لکھی کہ جہاں تک اس خاص الزام کا تعلق ہے اس کتاب نے ہمیشہ کے لئے مخالفین کا منہ بند کر دیا۔ پھر آج یورپ اور امریکہ جگہ جگہ اسلامی علوم و فنون اسلامی دینیات اور اسلامی فلسفہ حمایت، اور اسلامی کلچر پر جو لاکھوں روپیہ کے خرچ سے تحقیقات ہو رہی ہے اور اس مقصد کے لئے بڑی

بڑی یونیورسٹیوں میں جو ادارے قائم ہیں یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ یورپ اور امریکہ نے اسلام کی ثقافتی اور تہذیبی عظمت کو تسلیم کرلیا ہے۔ ورنہ جو مذہب تلوار کے بل بوتہ پر فروغ پائے۔ وہ ہرگز اس لائق نہیں ہوسکتا کہ علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کے موجودہ دورِ ترقی میں اس کے ساتھ اعتنا کیا جائے۔

ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ دورِ حاضر کے نام نہاد اعلےٰ تہذیب کے علمبردار اقوام جو اپنے آپ کو عدل وانصاف کے حامی اور جمہوری اصول کے ناشر بتاتے ہیں۔ اب تک دنیا کے سامنے کوئی طریقۂ زندگی پیش نہ کرسکے جس میں امن عامہ اور ساتھ ہی انفرادی آزادی کا ایسا تحقق ہوسکے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں ہوا تھا۔ اگر آمریت کی مذمت کی جاتی ہے۔ تو کیا اقلیوں پر اکثریت کے مظالم نہیں دیکھے جارہے ہیں۔ اپنے کو اعلےٰ قسم کا انسان تصوّر کرنے دوسروں کو ذلیل بناکر اقتصادی ذرائع سے بلکہ بعض اوقات بزور شمشیر وجوہر بیب سے نیست ونابود نہیں کیا جارہا ہے

تاریخ شاہد کہ نہ صرف زمانہ قدیم بلکہ نسبتاً جدید ادوار میں بھی طاقتور قوموں نے زیادہ مہلک آلات حرب اور منظم طریقوں سے غریب وبیکس کم ترقی یافتہ انسانوں کو یا تو صفحہ ہستی سے میٹ دیا۔ یا ان کے ملکوں پر قبضہ کرکے ان کو غلاموں سے بدتر بنادیا یا بنائے رکھا۔ اور باایں ہمہ ظلم وتشدد عوام کے فلاح وبہبود کے لئے عوام کی حکومت کے قواعد کے اعلان شائع کئے۔

ایسے واقعات اسلام کی تاریخ میں کبھی پیش نہیں آئے۔

غیر مسلم برادرن تعصب اور عصبیتوں کو بالائے طاق رکھ کر کھلے دل ودماغ سے اسلام کا مطالعہ کیجئے آپ پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگی۔ کہ واقعی اسلام تمام انسانوں کے واسطے نظام حیات اور مذہب بننے کا استحقاق رکھتا ہے۔

حضرات وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔ اور زندگی گھڑی کی چابی کی طرح ختم ہوتی جا رہی ہے۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالےٰ کے دین کا پرچم آپ ہی میں سے کسی قوم یا جماعت کے مبارک ہاتھوں لہرایا جائے۔ اور اس پوری انسانیت تک جو مشکلات میں پڑ کر جاں بلب ہو رہی ہے آپ ہی میں سے بعض کے ہاتھوں یہ آب حیات پہونچایا جانا مقدر ہو چکا ہو۔

مسلمانوں کی خدمت میں

انسانی تاریخ کے اس نازک ترین مرحلے پر اب مسلمانوں کو بھی متنبہ ہو جانا چاہیئے کہ یا تو وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ کر شاہراہ اسلام پر سیدھی طرح چلیں اور شاہراہِ اسلام کے صحیح جانشین بن کر اس خدائی مشن کو سرانجام دینے کے لئے تیار ہو جائیں یا پھر اپنے اعمال واخلاق سے اسلام کے لئے بدنامی کا موجب نہ بنیں کہ دنیا ان کے اخلاق اور طرز عمل کو اسلامی اخلاق اور طرز عمل قرار دے رہی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ غضب الہی بھڑک اٹھے اور ان کو یہود کے ساتھ ملا دیا جائے۔

اسلام اجنبی مذہب نہیں ہے

بہرحال۔ اسلام کوئی اوپرا اور جدید مذہب نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہی مذہب ہے جو خاتم الانبیاء سے پہلے بھی پیغمبروں کے ذریعے سے انسانوں کو دیا جاتا رہا۔ مگر خاتم الانبیاء سے پہلے اس مذہب میں وہ عمومیت اور شمولیت، وسعت اور عالمگیریت نہ تھی جو آپ پر نازل کئے جانے کے زمانہ میں اس میں پیدا کر دی گئی ہے آپ کے زمانہ سے اس کو کامل بھی کر دیا گیا ہیں اور ساری انسانیت کے لئے اس کو عام بھی کر دیا گیا ہے۔ پس وہ تمام انسانوں کا مذہب ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ یعنی اسلام میں ہر زمانہ کے لئے انقلابی روح ودیعت کر دی گئی ہے۔ تاکہ اس کی بنیادوں پر ہر زمانہ میں بہترین حکومت قائم کی جا سکے اور اس روح کو عام کرنے اور اس کو دوسروں تک پہونچانے میں سرگرم کار رہ سکے تاکہ اسلامی حکومتیں ہر انقلاب کے بعد معرض وجود میں آسکیں۔ اگر یہ روح اسلام میں ودیعت نہ رکھی جاتی تو اسلام کا عالمگیر ہونا اور ہر زمانہ کے لئے ہونا فریب اور لغو ہو کر رہ جاتا۔

پس اسلام کے عالمگیر اور ہمیشہ کے لئے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس میں شروع سے ہی انقلابی روح کو رکھ دیا گیا ہے۔ اس وقت بھی اسلام کو اس وجہ سے آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور پہلے بھی ہر موقعہ پر اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ یہ مذہب خدا تعالے ہی کی طرف سے تمام قوموں اور طبقوں اور انسانوں کے لئے

اور ہر ایک زمانے کے لئے مکمل دستور العمل اور کامل ضابطۂ حیات انسانی وضع کر کے دیا گیا ہے۔ اسلام سے پہلے ضوابط حیات بھی خدا تعالےٰ ہی کی طرف سے انسانوں کو دیئے گئے تھے۔ مگر وہ موجودہ اسلام جیسے مکمل نہیں تھے، اور ہر ایک زمانے کے لئے بھی نہ تھے، بلکہ وہ مخصوص حالات کی وجہ سے تھے، کیونکہ ان زمانوں میں انسانیت قدرتی اور جغرافیائی حالات کے تحت مختلف خطوں اور طبقوں میں بٹی ہوئی تھی، ان وقتوں میں ایسا ہی کیا جانا ضروری اور مناسب تھا۔ پھر جب انسانوں کی نسل بڑھنی اور پھیلنی شروع ہوئی اور انہوں نے اپنی اپنی حدود سے باہر نکل کر آباد ہونا شروع کیا اور اس وجہ سے ملکوں اور قوموں کا میل ملاپ آپس میں پیدا ہوا تو ضرورت پڑی کہ ان تمام کو ایک ہی ضابطۂ حیات دیا جائے۔ اور انسانیت کی تنظیمی تقسیم کو ختم کر دیا جائے۔ پس جب ایسا کیا جانا ضروری ٹھہرا تو پہلے ضابطوں میں ترامیم اور تنسیخ کی جانی تھی۔ اس لئے پہلے ضابطوں سے وہ اجزاء جو فطرت انسانی کے متعلق تھے ان کو لے لیا گیا اور جو ماحول و ظروف کے ساتھ تعلق رکھتے تھے ان میں سے بعض کو منسوخ کر دیا گیا، اور ان میں جو صالح امور تھے ان میں تعمیم کر دی گئی۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اسلام کوئی پہلے مذاہب سے جدا اور علیحدہ مذہب نہیں ہے۔ بلکہ باقی مذاہب کی صالحات اور کچھ مزید

امور کا مجموعہ مکمل ہے ۔ البتّہ اس کی مخصوص اور امتیازی شان یہ ضروری ہے کہ اب یہ ضابطۂ حیات ہمیشہ کے لئے اور ہر ایک زمانہ کے لئے قرار دیدیا گیا ہے ۔

یعنی اسلام کا دائرہ صرف چند قوموں اور قبیلوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ وہ تمام انسانوں کے لئے ہے، اور اس کا در، یہود، عیسائی اور مظاہر پرستوں کے لئے کھلا ہوا ہے ۔ پس جو شخص ایمان باللہ اور بالیوم الآخر کی شرائط کو پورا کرتا ہے اور اسلام کی اس سہل الحصول دعوت کو لبیک کہتا ہے ۔ وہ نامراد اور ناکام نہیں ہوگا ۔ اسلام انسانی بھائی چارہ کی تعلیم دیتا ہے اور نفرت اور دشمنی سے انسان کو بچاتا ہے ۔ اسلام انسانیت کا مذہب ہے ۔ اور روا داری اور محبت و مساوات اس کے بنیادی اصول ہیں نیز وہ نہ صرف دوسرے مذہب کو برداشت ہی کرتا ہے بلکہ ان کے احترام کی تلقین بھی کرتا ہے ۔

البتّہ اسلام کا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ تمام مذاہب کی اصلیت کا محافظ صرف اسلام ہے ۔ اب جو شخص چاہتا ہے کہ اپنی اصلیت کو حاصل کرے ۔ اس کے لئے قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہوگا ۔ یہ ہے اسلام کی تعلیم کا خلاصہ ۔ لیکن اسلام کو اسلام کے مطالعہ سے سمجھنا چاہیئے ، مسلمانوں کے موجودہ حالات سے اسلام کی اصلیت اور

حقیقت معلوم نہیں ہو سکے گی ؟ اس وقت اکثر مسلمان بھی دوسری قوموں کی
طرح مذہب سے بے خبر ہو رہے ہیں۔ اس لئے یہاں ایک اہم نکتہ بھی
ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ ہر ایک چیز ایک خاصیت رکھتی
ہے۔ زہر کی خاصیت ہلاکت ہے۔ اور دودھ کی خاصیت توانائی ہے
اور طاقت دیتا ہے۔ مگر یہ خاصیتیں مسلم وغیر مسلم اپنوں اور پرایوں میں
کوئی تمیز نہیں کرتیں۔ اسی طرح اعمال کی بھی خاصیتیں ہیں۔ اور اسلام کا
کام یہ ہے کہ وہ ان خاصیتوں کو ظاہر کرے۔ اور ان کے اثرات سے دنیا
کو آگاہ کردے — چنانچہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ نہ مسلمانوں کے ولولوں
سے کچھ بنتا ہے اور نہ یہود و نصاریٰ کی تمناؤں اور آرزوؤں سے۔ کیونکہ
اعمال کے نتائج کسی میں تمیز نہیں کرتے جو شخص بھی بُرے اعمال میں مبتلا
ہوگا۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کوئی اور وہ اس کے نتائج سے ضرور دوچار ہوگا۔
گویا قرآن کریم میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ کامیابی کی اصل، حسن عمل
ہے، صرف مسلمان ہونا نہیں ہے، اگر مسلمان اس خیال خام میں مبتلا ہے
کہ وہ کردار کے بغیر ہی محض مسلمان ہونے کی وجہ سے کامیاب ہو جائیگا۔
تو وہ تباہی سے ہرگز نہ بچ سکے گا اگر زہر کا اثر ایک مسلمان کو بھی
متاثر کرتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی بدعملی اور بدکرداری اس پہ
اثر انداز نہ ہو، اور وہ اپنی غلطیوں کا خمیازہ نہ بھگتے۔

اسلام ہی نجات کا ذریعہ ہے

ہماری دُنیا تاریخ کے نامعلوم زمانوں سے زندگی کے گہواروں پر جھومتی چلی آرہی ہے۔ یہاں یونانی۔ رومی۔ اشوری۔ قبطی۔ اور ہندی وغیرہ آئے۔ ان کی آمد سے انسانیت کو تقسیم کا اپریشن برداشت کرنا پڑا۔ مگر جب اسلام کا قافلہ اپنے علوم و فنون اور تاریخ و تمدن کے ساتھ زندگی کے میدان میں آیا تو اس سے یاد دلایا۔ کان الناس امۃ واحدۃ۔ یعنی تمام انسان اپنی اصل سے ایک قوم ہیں۔ اور یہ دُنیا ان کا وطن اکبر ہے۔

اسلام سے پہلے زمین کے سینہ پر فاتح کمانڈر کھڑے تھے جو اپنی اپنی قوم کے لئے ساری دُنیا کو فتح کرنا چاہتے تھے۔ اس زمانہ کا ہر تمدن قومی تھا۔ اور ان میں سے ہر ایک کا مزاج الگ تھا۔ مگر اسلام نے ملکوں اور قوموں کی جگہ انسان کو پکارا۔ ایک خدا کے نام پر ساری مخلوق کو جمع کرنے کا نعرہ لگایا، تمام برائیوں کا خاتمہ کیا۔ اور تمام اچھائیوں اور نیک کاموں کو رواج دینے کا قانون بنایا، دُنیا بھر کے جنگ بازوں کو امن سلامتی اور انسانی آزادی کی دعوت دی، ہر وہ مورخ جو اسلام کی وکالت کا فرض انجام دیتا ہے اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ یونان کے فلسفی اقلیدس ہیرو فلاکس، ارشمیدس، اور ایلینوسی، اپنی محدود قومیت کے دائرے میں تہذیب و تمدن کے رہنما تھے، مگر یہ بات اپنی جگہ سوفی صد

صحیح ہے کہ یونانی تمدن کا دل زندگی کے حسن و جمال میں اٹکا ہوا تھا۔ رومی تہذیب طاقت اور افادیت پر مصر تھی۔ مسیحی فلسفے کا سارا زور محبت پر تھا۔ ہندوستانی فلسفے کا دماغ زمین پر کم اور افلاک پر ہمیشہ رہا۔ یہ صرف اسلامی اور عربی تمدن تھا جس نے الہام کی مدد سے علم و عقل سے واسطہ پیدا کیا اور ان کی رہنمائی کا کام روح کو سپرد کیا۔ اسلام نے اپنی بنیاد توحید کے عقیدہ پر رکھی۔ اور روح اور مادّے کے اتحاد کا اعلان کیا۔

غرضیکہ واقعات کی رفتار دنیا کو ایک ایسے درجہ پر لے آئی ہے کہ اسلام کو دُنیا کے سامنے وضاحت سے پیش کیا جائے۔ اور بتایا جائے کہ اسلام اور صرف اسلام ہی اس وقت دُنیا کی نجات کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اور دُنیا کی موجودہ بے چینی کا علاج اور سسکتی ہوئی انسانیت کی نجات صرف اسلام میں ہے اور انسانیت کیلئے پیغمبر اسلام کی زندگی ہی صحیح اور مکمل نمونہ ہے اور آگے یہ آرہا ہے۔

اسلامی تہذیب

تہذیب کے معنی ذہنی نشوونما اور ارتقاء کے ہیں۔ مگر اسلامی تہذیب اس لحاظ سے دوسری تمام تہذیبوں سے مختلف ہے۔ اس کا مقصد کسی ایک فرد یا افراد کے کسی خاص گروہ کی ذہنی ترقی نہیں بلکہ اس سے پیش نظر پوری انسانیت کی ترقی ہے۔ جب تک کسی سرزمین میں ناحق نا انصافی اور نا روا داری موجود ہیں وہ ملک اسلامی نکتہ نگاہ سے قطعاً مہذب کہلانے کا مستحق نہیں خواہ

فنونِ لطیفہ اور ادب وہاں کسی قدر ترقی پر ہوں - اسی طرح جنگی فتوحات اور امن کی قبل آدینہ یوں کی چمک خواہ کتنی ہی خیرہ کن کیوں نہ ہو اسلام کا مقصد نہیں قرار دی جا سکتی ہے اسلام کا مقصد ان چیزوں سے کہیں زیادہ وسیع اور بلند ہے - اسلام کا مقصد ایک عالمگیر برادری کا قیام ہے لیکن اس سے بھی مجال انکار نہیں کہ فرد اور نسل کی ترقی پر اسلام بطور مذہب دوسرے مذاہب سے کہیں زیادہ زور دیتا ہے - اور ملک اور سلطنت اور جاہ و حشمت حاصل کر لینے کے بعد اس نے ایسے تہذیبی نتائج پیدا کئے ہیں جو باقی تمام مذہبوں، تہذیبوں اور فلسفوں کے مجموعی نتائج سے کسی صورت میں کم نہیں - مغرب میں آرٹ اور ادب (اسلام میں جو تہذیب کے ضمنی مظاہر ہیں) کے کارناموں کو عبادت کی سی اہمیت دی جاتی ہے اور اسے ہی انسانی زندگی کا واحد اور آخری غرض و غایت سمجھا جاتا ہے - مگر ایک مسلمان اس نظریہ کو بہ نگاہِ حقارت دیکھتا ہے - اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمان ادب آرٹ اور سائنس کے کارناموں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے - نہیں! بلکہ وہ انہیں سرِ راہ کی نعمتیں سمجھتا ہے جو مسافر کے لیے تفریح کا سامان بہم پہنچا کر سفر کو آسان تر کر دیتی ہیں - مگر جنہیں سفرِ زندگی کا جزو قرار نہیں دیا جا سکتا - مسلمان ایسی امدادی یا تفریحی چیزوں کو تقدیس کا درجہ نہیں دے سکتا -

سائنس آرٹ اور ادب کی دنیا میں اسلام کے تمام عظیم کارناموں کو دو عنوانات - افادی اور تفریحی کے تحت لایا جا سکتا ہے ان میں سے بعض مثلاً - اعلیٰ قسم کی شاعری، فن تعمیر دونوں ان عنوانات کے تحت آ جاتے ہیں -

مشہور انگریز مسلمان محمد مارماڈیوک پکتھال مرحوم متوفی ۱۹۳۶ء نے اپنے ایک لیکچر میں حسب ذیل خیالات کو کیا ہے کہ [1]

اسلام ایسے تمام کارہائے نمایاں ہیں - ایک راہ نما - ایک ہدایت - اور ایک مقصد تسلیم کرتا ہے - وہ رہنما جناب رسول مقبول ہیں - وہ ہدایت، قرآن ہے - اور وہ مقصد حق تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے - موصوف نے کہا کہ اسلامی تہذیب سے مراد ان لوگوں کی تہذیب نہیں جو اسلام کے نام لیوا ہیں ؟ بلکہ اس دین کی تہذیب ہے جس کا واضح اور مسلمہ مقصد پوری انسانیت کی ترقی ہے — جس کسی نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات سے اتفاق کرے گا کہ قرآن ان لوگوں کو جو اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں - اور اس کے بتائے ہوئے قوانین کی پیروی کرتے ہیں - دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کا یقین دلاتا ہے - اور اس کے پیش نظر پوری انسانیت کی بہتری اور فلاح ہے جسے وہ انسان

کی قوتوں اور قابلیتوں کو نشوونما دے کر حاصل کرنا چاہتا ہے ۔"

مسلم معاشرہ کی ہر وہ ترقی جس کی تائید قرآن پاک کے کسی حکم ۔ یا رسول پاکؐ کے کسی فرمان سے نہ ہوتی ہو ۔ وہ غیر اسلامی ہے ۔ ضروری نہیں کہ ایسی تمام چیزیں کامیابی کے منافی ہوں ۔ البتہ کوئی مسلمان ایسی باتیں اختیار کرکے کامیابی سے ہمکنار ہونے کی توقع ، نہیں کرسکتا ۔ مگر جو ترقی قرآن پاک کے کسی واضح حکم یا جناب رسول پاکؐ کے کسی فرمان یا سنت کے خلاف ہو ، وہ خلاف اسلام ہے ، ایسی چیز یقیناً کامیابی سے دور لے جانے والی ہوگی ۔ اور اسے اختیار کرنا مسلمانوں کے لئے تباہی کے راستہ پر گامزن ہونے کے مترادف ہے ۔"

فنونِ لطیفہ اور اسلام

موصوف نے کہا کہ اسلام نے ابتداء ہی سے کبھی ایسے فنونِ لطیفہ کی حوصلہ افزائی نہیں کی ، جن کا تعلق بت پرستی اور مشرکانہ رسوم سے تھا ، کیونکہ انسانیت کی ترقی کے لئے ان چیزوں کا قلع قمع کرنا ضروری تھا ۔ مگر اسلام کا بعض فنون کی حوصلہ افزائی نہ کرنا ۔ اور بعض دیگر کی حوصلہ افزائی کرنا ۔ ان فنون کی حیثیت محض ضمنی تھی ۔ اسلامی تہذیب کا مقصد انسانی زندگی کے لوازمات کو نہیں ، بلکہ خود انسانی زندگی کو خوبصورت اور عمدہ بنانا ہے ۔ بیشک آج مغرب میں بہت سے ایسے قابل لوگ ملتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ کسی قوم کے چند افراد کا فنونِ لطیفہ کا تخلیق کرسکنا اس بات کا کافی ثبوت

ہے کہ وہ قوم متمدّن اور مہذب ہے۔ خواہ اس کے افراد کی اکثریت ایسے نظامِ معاشرت میں جکڑی ہوئی ہو جو انہیں پستی اور ذلت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رہا ہو۔ بلکہ وہاں ایک ایسا مکتبِ فکر بھی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ کسی قوم کے چند افراد کا بعض فنونِ لطیفہ میں مہارت حاصل کر لینا اس قوم کی اکثریت کو ذلت، غلامی، اور پستی میں رکھنے کے لئے کافی جواز ہو سکتا ہے۔ اور

فرمایا آپ میں سے بعض حضرات کو یقیناً وہ بحث یاد ہو گی جو آج سے چند برس بیشتر انگلستان کے کئی اخباروں میں چل نکلی تھی کہ اگر کوئی نہایت حسین مشہور اور بے مثل یونانی مجسمہ جس کی جگہ کوئی دوسرا مجسمہ نہ لے سکتا ہو۔ کسی کمرے میں ایک زندہ بچے کے ساتھ موجود ہو۔ اس کمرے کو آگ لگ جائے۔ اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو ہی بچایا جا سکتا ہو تو کسے بچانا چاہیئے! مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ بہت سے مشہور اور قابلِ حضرات نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ مجسمہ کو بچا لیا جائے اور بچہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ بچے تو لاکھوں کی تعداد میں ہر روز پیدا ہوتے ہیں۔ مگر پرانے یونانی آرٹ کا ایسا نمونہ دوبارہ نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ بت پرستی کی تازہ ترین اور ترقی یافتہ صورت ہے، کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لئے ایسا خیال اپنے ذہن میں نہیں لا سکتا۔"

شاندار مستقبل میں یقین

موصوف نے کہا کہ اسلام بنی نوع انسان کے شاندار مستقبل میں یقین رکھتا ہے اور اس کے لئے مصروف عمل ہے۔ ہر مسلمان خدا کے راستے میں جو دراصل انسانیت کی خدمت کا راستہ ہے۔ اپنی جان کی قطعاً کوئی قیمت نہیں سمجھتا۔ لیکن وہ انسان کی بنائی ہوئی کسی چیز کے لئے خواہ کتنی ہی بے مثل کیوں نہ ہو کسی معمولی سے معمولی انسان کی زندگی کو قربان کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتا۔ صرف وہی شخص آرٹ کے نمونوں کو عبادت کا درجہ دے سکتا ہے جو اللہ کی ہدایت اور مستقبل پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ بہترین چیزیں ہیں جو انسان صدیوں میں پیدا کر سکا ہے۔ اور چونکہ خوبصورتی کم ہو رہی ہے۔ اور انسان روبتنزل ہے۔ اس لئے ہمیں ماضی کے ان خوبصورت شاہکاروں سے جدا نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اب ہمارے یہی ایک مقصد اعلیٰ باقی رہ گیا ہے۔

موصوف نے کہا کہ یہ کھلی مایوسی ہے۔ اور اسلام سرتاپا رجائیت ہے۔ مگر اسلام کی رجائیت کے مشہور کردار ڈاکٹر پینگلاس کی طنزیہ رجائیت نہیں جو بار بار کہتا ہے کہ اس بہترین دنیا میں .... ہر چیز ہماری بہتری کے لئے ہے۔ موصوف نے کہا نا سمجھ لوگ ایسی باتوں کو رجائیت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ دراصل ان سے تقدیر پرستی

ظاہر ہوتی ہے ؟ اسلام تقدیر پرستی نہیں سکھاتا۔ آپ متعجب نہ ہوں ، مجھے اس پہ اصرار ہے۔

تقدیر پرستی کا الزام

آج کل کہنا یہ فیشن میں داخل ہے کہ اسلامی تہذیب کے زوال کا سبب خود اسلام کے اپنے اندر پوشیدہ ہے۔ اور وہ سبب اس کی تقدیر پرستی ہے یہ حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیم بہت حد تک تقدیر کی قائل ہے۔ اور پہلے مسلمانوں کی زندگی سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ لیکن یہ وہ تقدیر نہیں ہے۔ جو مغربی دنیا مسلمانوں سے منسوب کرتی ہے۔ بلکہ یہ تقدیر کاہلی کا الٹ ہے۔ (جس کے متعلق ہم پہلے عنوان نمبر ۱۱ کے تحت ہی تھوڑا سا لکھ آئے ہیں۔

دراصل انسان کی حیثیت دنیا میں اللہ تعالے کے نائب السلطنت کی ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ط	اور جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا، میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں وہ بولے، کیا تو زمین میں (اسے اپنا نائب) بنائے گا جو وہاں فساد برپا کرے اور خون بہائے، اور ہم تیری تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں۔

(حق نے) کہا میں (وہ) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ جب تک انسان اپنی

محکومی کو سمجھتا رہے اور جو اختیارات اسے سونپے گئے ہیں۔ انہیں ایک مقدس امانت تصور کرتا رہے وہ محفوظ ہے۔ جب وہ اپنی محکومی کو بھول جائے یا اس سے انکار کرنا شروع کر دے تو وہ گمراہی میں پڑ جائے گا، اور نقصان اٹھائے گا۔ جو سورۃ سب سے پہلے نازل ہوئی اس میں ہم یہ آیت پڑھتے ہیں۔

كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ

نہیں مگر انسان بالعموم سرکش ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو آزاد دیکھتا ہے۔ یقیناً تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

انسان کو اس دنیا اور اس کے جانداروں، اور درختوں اور پودوں کی حکومت دی گئی۔ اب اس کا فرض ہے کہ وہ تمام انسانوں کی بہتری کے لئے اس دنیا کو ترقی دے اور اسے بہتر بنائے۔ نہ یہ کہ اپنی ذاتی خوشی کے لئے اسے تباہ و برباد کرے۔ اسے جو دوسرے بھائیوں پر اختیار دیا گیا ہے۔ وہ بعض واضح حدود کے اندر دیا گیا ہے۔ اب اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اور دوسرے انسانوں کی اصلاح و ترقی کرے، اور آئندہ نسلوں کے لئے راستہ ہموار کرے۔ انسان کا ان طبعی قوانین کا بالکل محتاج ہونا جو تمام موجودات پر حاوی ہیں، ان قوانین کی پابندی کے بغیر جو اس نے خود نہیں بنائے نہ اس کا سانس لے سکنا اور نہ بازو ہلا سکنا ہے۔ دن اور رات کی آمد و رفت اور قانون مکافات جو اس کے تمام اعمال پر حاوی ہے۔ یہ سب انسانوں کو بار بار یاد دلاتے ہیں کہ اس کے اختیار کی

حکومت اور بادشاہی بہت زیادہ محدود ہے۔ اور وہ ہمیشہ ایک لامحدود طور پر عظیم تر طاقت کے رحم وکرم پر ہے۔ مگر لیکن اوقات یہ چیزیں اسے واضح حقیقت یاد دلانے سے قاصر رہتی ہیں اور پھر (انسان بالعموم سرکش ہے اور اپنے آپ کو آزاد سمجھتا ہے) جس کے باعث برائی اور بدعنوانی میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس دنیا میں مسلمان مردوں اور عورتوں کا منصب اس حقیقت کو آشکار کرنا اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہت یا عالمگیر انسانی اخوت کے قیام کے لئے ان تھک کوشش کرنا ہے۔ قرآن اللہ کی بادشاہت کو کسی نسل یا فرقہ تک محدود نہیں رکھتا۔ وفاداری کا معیار بعض عقائد کا اعلان یا بعض رسوم کی ادائیگی نہیں۔ معیار سب انسانوں کے لئے ایک ہے اور وہ ان کا طرز عمل ہے۔ مسلمان کا کام ہر جگہ نیکی کے حق میں اور بدی کے خلاف جدوجہد جاری رکھنا ہے۔ مسلمان کا اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا نتیجہ کوئی عمل سے خالی گیان دھیان یا کاہلی کی حالت نہیں۔ بلکہ شعوری جدوجہد کے آغاز کی حالت ہے اس کے لئے کسی تکلیف کا باعث بننے کی بجائے بے حد اطمینان اور مسرت کا باعث بنتی ہے۔ اور وہ اس تیراک کی طرح محسوس کرنے لگتا ہے جو بہت دیر تک لہروں کے خلاف تیرتا رہا ہو۔ اور پھر بہاؤ کا رخ اس کے

موافق ہو جائے۔ نیکی کی خاطر اور برائی کے خلاف مسلمانوں کی یہ جدوجہد جس کا آغاز اس کے اپنے آپ سے ہوتا ہے اور جسے وہ بعد میں دوسرے انسانوں تک توسیع دے دیتا ہے اور جس کا انجام ہو سکتا ہے۔ میدانِ جنگ میں اس کی شہادت پر ہو، جہاد کہلاتا ہے۔ جہاد میں مسلمان ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ اسے نہ موت کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ اس بات کی کہ وہ موت اسے کہاں اور کیسے پیش آتی ہے۔ یہ ہے مسلمانوں کا اصل نظریۂ تقدیر مگر تقدیر کا یہ ایسا نظریہ نہیں جو کبھی جمود و زوال پیدا کرے۔

مسلمان وہ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتے ہیں، جیساکہ قرآن پاک میں مذکور ہے یعنی اپنی حفاظت میں یا کمزوروں اور مظلوموں کو بچانے کے لئے اسلام میں۔ لوگوں کے خلاف محض اُن کے مذہبی عقائد کی بناء پر جارحانہ لڑائی لڑنے کی اجازت نہیں۔ نہ ایسی لڑائی کو کسی طرح جہاد کے پردے میں چھپایا جا سکتا ہے۔ جہاد اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کوشش کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا راستہ وہی ہے جو انسان کی ترقی کا راستہ ہے۔ اگر کوئی قوم یا گروہ مسلمانوں سے انتہائی ناانصافی سے پیش آئے، یعنی ان کو نیست و نابود کرنے یا غلام بنانے یا فوجی قوت کے بل بوتے پر صداقت کو مٹانے کی کوشش کرے تو پھر اس کے خلاف جنگ کرنا ہر مسلمان کے لئے فرض ہو جاتا ہے۔ اگرچہ جہاد یا نیکی کے لئے عام جدوجہد

مسلمانوں کا ایک مقدس فریضہ ہے۔ لیکن انہیں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح ان کی اس کوشش کا یا حمایت کا محتاج ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝

جس نے کوشش کی پس وہ اپنی جان کے لئے کوشش کرتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ واقعی تمام عالموں سے غنی ہے۔

انگریزی زبان میں بھی اس قسم کے محاورات وضرب الامثال موجود ہیں مثلاً "نیکی بجائے خود ایک انعام ہے" "خدا انہی لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں" لیکن حکمت و دانش کے ان قدیم اور بے نظیر اصولوں کے اعلیٰ روحانی معانی پر بنی نوع انسان نے کبھی اس طرح عمل نہیں کیا، جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی تاریخ میں ان کی روشن اور تابندہ مثالیں ملتی ہیں۔

بہر حال فرائض انسانی کے متعلق جو تصور اسلام پیش کرتا ہے۔ وہ جداگانہ نوعیت کا ہے۔ وہ ذاتی فرائض کو تسلیم کرتا ہے اور انسان سے توقع کرتا ہے کہ وہ ان کی بجا آوری کرے۔ یہ ذاتی فرائض کیا ہیں؟ اسلام کے مطابق یہ فرائض تزکیہ نفس پر مشتمل ہیں اور اس کے لئے وہ شخصی جہاد کا لفظ استعمال کرتا ہے جس کے معانی یہاں واضح کر دینے ضروری ہیں۔۔۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاد سے تیغ آزمائی مراد لی جاتی ہے۔

لیکن جہاد کو اسلام نے اس سطح سے بلند کر دیا ہے جہاں تلواریں آپس میں ٹکراتی ہیں، بلکہ اس کے معانی کو وسعت دے کر جہاں ظلم و جبر کے خلاف مجموعی قسمت آزمائی کو اس کے مترادف قرار دیا ہے۔ وہاں ذاتی حرص و ہوس کے خلاف برسرپیکار رہنے کو بھی جہاد کے برابر ٹھہرایا ہے۔ اسلام نے جہاد کو تقویٰ ( ) کی اساس قرار دیا۔

بہرحال نیکی کے لئے یا دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کی حفاظت کے سلسلہ میں کمزوروں، جاہلوں، ناداروں، بیماروں اور مظلوموں کے لئے یا برائی کے مٹانے کے لئے جو مساعی کی ہوں گی۔ ان کی فہرست ہی ہمارے جہاد کا حساب ہے۔ اس دنیا کی دولت اللہ تعالیٰ کا تحفہ ہے وہ جسے چاہے یہ دولت دیتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے، یہ تحفہ ہمیشہ امانت کے طور پر اور اکثر اصول کی جانچ یا امتحان کی خاطر اور بعض دفعہ سزا کے طور پر بھی دیا گیا ہے۔ روحانی لحاظ سے یہ چیزیں خطرناک اور تکلیف دہ ہیں۔ اور پھر انہیں بقا بھی نہیں۔ پھر وہ کون سی چیز ہے جسے ہم باقی سمجھ کر اس پہ انحصار کر سکتے ہیں؟ صرف اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ جو ایمان لائے ہیں اور نیکی کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور جو اپنے گھروں اور اپنی محبوب ترا ملاک کو اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑتے ہیں۔

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کا اجر اللہ کے ہاں ہے

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ — اور نہ ان پر خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہ ہے اسلام کی تقدیر پرستی۔ مگر یہ وہ تقدیر پرستی نہیں جس کا الزام اس پر بالعموم لگایا جاتا ہے۔ یہ زبردست اور مسلسل جدوجہد اور انتہائی قوت کی زندگی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاد کی زندگی نہایت شاندار اور انتہائی شریفانہ زندگی ہے۔ اور ہر شخص اسے بآسانی اختیار کر سکتا ہے۔

اس وقت جب کہ دُنیا تباہی کی طرف جا رہی ہے تو صرف مسلمان ہی اسے اس تباہی سے بچا سکتے ہیں۔ کیونکہ صرف انہی کے پاس وہ کسوٹی ہے جس سے قدروں کو پرکھا جا سکتا ہے۔ اور صرف وہی ایک ایسا مکمل متبادل نظام پیش کر سکتے ہیں جسے اللہ تعالےٰ کی رضا مندی حاصل ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو ماضی میں حیران کن کامیابی حاصل کر چکا ہے۔ جسے ہر زمانہ کی ضروریات کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ اور جس کے متعلق بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ مستقبل میں بھی غیر معمولی کامیابی سے چل سکے گا۔ مغرب کے انقلابیوں کی کسی بھی سکیم کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جب کبھی ان کی کسی سکیم کو عمل کے امتحان میں ڈالا گیا ہے۔ وہ ہمیشہ ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اور وہ اپنی سکیموں سے انسانی مسرت میں ایک ذرہ کا اضافہ بھی نہیں کر سکے۔ ہمارے لئے اس بات کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ دوسری

قوموں کے مقابلہ میں ہمیشہ ہر حالت میں اپنی قوم کی فتح اور کامیابی کے لئے کوشش کرنا خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر جہاد نہیں ہے ؟ جہاد ہر حالت میں حق کی باطل کے خلاف اور نیکی کی بدی کے خلاف جنگ ہے۔ اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ ایسے جہاد کا تصور اسلامی دنیا سے غائب رہا ہے۔ تو آپ غلطی پر ہیں۔ اموی اور عباسی خلیفوں نے مشرق کی رومی سلطنت سے جو برتاؤ کیا یا سپین کے اموی خلیفوں نے مغرب کی عیسائی سلطنتوں سے جو سلوک کیا اس کا مطالعہ فرمائیے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا مقصد بالکل یہی تھا۔ کہ ہر حالت میں باطل کے مقابلہ میں حق کی حمایت کی جائے۔ جو خط فرانسیسی شاہ فرانس کو جب وہ قید میں تھا۔ اور جب اسے اس کی جائداد سے ناجائز طور پر محروم کر دیا گیا تھا۔ سلطان سلیمان اعظم نے لکھا تھا۔ اسے پڑھئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت بھی یہی اصول ان کے پیش نظر تھا۔ اور وہ اس پر سختی سے کاربند تھے۔ ہمارا مقصد روئے زمین پر اپنی قوم کی سلطنت قائم کرنا نہیں بلکہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت قائم کرنا ہے۔ اسلامی شریعت کا بھی یہی وسیع انسانی مقصد ہے۔ اور ایسے قدرتی قوانین پر مشتمل ہے۔ جو ہر کسی کے لئے یکساں طور پر مفید ہیں۔ ان احکام کو فرو تر مقاصد کے لئے استعمال کرنا ان کا غلط مطلب نکالنا اس طرح انہیں ناکامی کی طرف لے جانا ہے۔ وسیع انسانی

مقصد کے بغیر کوئی جہاد نہیں ۔۔۔ مسلمانوں کی تقدیر پرستی جس کے متعلق اس قدر شور ہے ۔ صرف ایسی چیز کو تسلیم کر لینا ہے ۔ جسے ٹالا نہ جا سکتا ہو۔ آج کل اس کا اظہار اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ حالات کو خدا کی مرضی سمجھ کر خوشی خوشی قبول کیا جائے ۔

بمصداق اذا ابتلیت بلیتین جب دو مصیبتوں میں گرفتار ہو تو

تو آسان مصیبت اختیار کر ۔

مگر ساتھ ہی پہلے کی طرح حق کا باطل کے خلاف جہاد جاری رکھا جائے ۔ وہ اس طرح کہ پہلے اخوت کو پاک کر کے اس کی جدید خطوط پر دوبارہ تشکیل کی جائے اور اپنے طرز عمل اور اپنی مثال سے دنیا کو اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر بادشاہت کے تصور کی طرف دوبارہ لایا جائے ۔ ؎

گر ز یک تقدیر خوں گردد جگر

خواہ از حق حکم تقدیر دگر

تو اگر تقدیر نو خواہی رواست

زانکہ تقدیرات حق لا منتہاست

رمز باریکش بحرفے مضمر است

تو اگر دیگر شوی او دیگر است

خاک شو نذر ہوا سازد ترا

سنگ شو بر شیشہ انداز د ترا

شبنمی! افتندگی تقدیر تست

قلزمی پایندگی تقدیر تست

(اقبالؒ)

اوامر و نواہی

نیز موصوف نے کہا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کا مقصد انسانی ترقی ہے۔ اور جو انسان کی روزمرہ زندگی کے ہر پہلو اجتماعی، معاشرتی، سیاسی، ذہنی اور روحانی کے متعلق اوامر و نواہی جاری کر کے اس ترقی کا صحیح راستہ متعین کر دیتا ہے۔ یہ اوامر و نواہی ایک مکمل سیاسی اور معاشرتی نظام میں ترتیب دئیے جا چکے ہیں۔ جو نہایت آسان اور قابلِ عمل ہے۔ ماضی میں اس نظام پر کامیابی سے عمل کیا جا چکا ہے۔ اور غالباً یہی عملی تجربہ تاریخ انسانیت کا سب سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ ہے۔

بعض مصنفین نے اسلام کی اس غیر معمولی کامیابی کا باعث کئی ایک خارجی اسباب، مثلاً ہمسایہ ممالک کی کمزوری، تلوار کا عام استعمال اور زمانہ کی سادگی وغیرہ کو قرار دیا ہے۔ لیکن آخر اس امر واقعہ کی کیسے وضاحت کی جا سکتی ہے کہ جب تک مسلمان اندرونی طور پر کسی خاص حکم شریعت کے

پابند رہے۔ وہ زندگی کے اس شعبہ میں کامیاب رہے ہے۔ اور جونہی انہوں نے اسے چھوڑا وہ اس میدان میں پیچھے رہ گئے ؟ کیا اس سے یہ واضح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ قرآنِ پاک کے احکام اور جناب رسول مقبول ؐ کے ارشادات جملہ انسانیت کے لئے بمنزلہ فطری قوانین کے ہیں۔ اور ان کی خلاف ورزی کرنا نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ پوری انسانیت کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ؟ چونکہ قوانین انفرادی کوششوں سے معلوم نہیں کئے جا سکتے تھے (ایک زمانہ کے بعد کچھ مفکرین ان میں سے بعض قوانین کی جزئیات تک پہنچ سکے ہیں) اس لئے ضروری تھا کہ انہیں ایک پیغمبر کے ذریعے انسانیت تک پہنچایا جاتا۔ ورنہ یہ قوانین ویسے ہی فطری ہیں۔ جیسے فزکس کے قوانین جو ہمارے ظاہری وجود پر حاوی ہیں۔ اور جن سے اختلاف کرنے کا خیال بھی کوئی اپنے دل میں نہیں لا سکتا، ــــ دیگر مذاہب ان لوگوں کے لئے جو زہد و ریاضت سے اپنے آپ کو نجات کا اہل بنالیں۔ آئندہ دنیا میں کامیابی کا وعدہ کرتے ہیں ــ مگر اسلام ان سب انسانوں کو جو بعض قوانین و قواعد کی پابندی کریں۔ آئندہ دنیا کی طرح اسی دنیا میں بھی کامیابی اور ثمرہ کا وعدہ کرتا ہے۔ ایک سچے مسلمان کے لئے اس دنیا اور آئندہ دنیا کی تقسیم مٹ جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ زمینوں اور آسمانوں کا رب ہے۔ اور اس کا حکم اس دنیا میں

بھی اسی طرح نافذ ہے۔ جس طرح آئندہ دُنیا میں ان سب لوگوں کے لیئے جو ایمان لا چکے ہیں۔ یعنی جو اللہ تعالےٰ کی رضامندی کے لیئے اپنی خواہشوں کو قربان کر چکے ہیں۔ آئندہ زندگی کی ابتدا اب اور یہاں سے ہے۔ موت کے بعد سے نہیں"

جب حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا۔ موتوا قبل ان تموتوا۔ یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ تو اس سے ان کی یہی مراد تھا۔

اسلام اس دُنیا میں بھی کامیابی کا وعدہ کرتا ہے۔ وہ فرد کی ایسی کامیابی نہیں جو دوسروں کو نقصان پہنچا کر حاصل ہو۔ نہ وہ کسی قوم کی ایسی کامیابی ہے۔ جس میں دوسری اقوام کا نقصان ہو۔ بلکہ وہ پوری انسانیت کی کامیابی ہے۔

دُنیا بھر کی مساجد سے جو دن میں پانچ بار یہ صدا گونجتی ہے۔ حی علی الفلاح۔ حی علی الفلاح۔ فلاح کی طرف آؤ۔ فلاح کی طرف آؤ۔ عربی میں فلاح کے معنی کاشت کے ذریعہ کامیابی کے ہیں۔

ایک اور لفظ زکوٰۃ ہے۔ جو مسلمانوں میں بہت رائج ہے۔ اس کے اصلی معانی بھی اس کے رسمی استعمال میں بھلا دیئے گئے ہیں۔ یہ اس ٹیکس کا نام ہے۔ جو مسلمانوں پر محتاجوں کے لیئے عائد کیا جاتا ہے۔ اور جس کا ذکر قرآن میں نماز کے ساتھ بار بار آیا ہے۔ زکوٰۃ واقعی

مسلم معاشرہ کی صحیح نشوونما کا سبب تھی۔ حضور نے فرمایا کہ یہ ٹیکس امراء سے لے کر غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔ جب یہ ٹیکس باقاعدگی سے وصول کیا جاتا تھا۔ ان دنوں مسلمانوں کی یہ حالت تھی۔ کہ اسلامی ممالک کے طول و عرض میں کوئی زکوٰۃ کا مستحق، یعنی کوئی محتاج یا جاہل مسلمان نہیں ملتا تھا۔ اور حکومت کو زکوٰۃ کی آمدنی رفاہ عام کے کام میں خرچ کرنا پڑتی تھی۔ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی۔ یعنی کامیاب وہ ہے۔ جو اپنی نشوونما کرتا اور بڑھتا پھولتا ہے۔ اور اپنے رب کے نام کو یاد کرتا اور ساتھ اس سے دعا مانگتا اور نماز پڑھتا ہے۔ نیز قد افلح من زکھا و قد خاب من دسھا۔ یعنی جس نے اپنی روح کی صحیح نشوونما کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے ترقی سے روکا اور برباد کیا وہ ناکام ہوا۔

اور موصوف نے فرمایا کہ شاید بعض لوگ خیال کریں کہ یہ محض مذہبی رسوم اور خیالات ہیں۔ جن کا زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں انہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام کا تعلق ہی عمل سے ہے۔ اور یہ احکام کوئی مردہ احکام نہیں بلکہ کئی سو سال تک انہی احکام پر مبنی خیرات اور امداد کا ایک وسیع نظام جاری رہا ہے۔ اور اس سے دنیائے اسلام کے جملہ اجتماعی مسائل حل کئے جاتے رہے ہیں۔

قرآن حکیم ہمیں بتلاتا ہے کہ اصل دین نظریاتی یا رسمی نہیں بلکہ عمل میں ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں فرمایا۔

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرو۔ یا مغرب کی طرف نیکی اس کی ہے۔ جو اللہ یوم آخرت، ملائکہ اللہ کی کتاب اور اس کے انبیاء پر ایمان لایا۔ جس نے اللہ کی محبت کے باعث قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں۔ مسافروں۔ مانگنے والوں اور مقروضوں کو مال دیا۔ نیکی اس کی ہے۔ جو عہد کرتے ہیں۔ تو اسے پورا کرتے ہیں۔ اور جو تنگی نقصان اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے (ایمان کے) دعوے میں سچے ہیں۔ اور یہی متقین ہیں۔ (آیت۔ ۱۷۷)

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (یقین و عمل) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کچھ نہ کیا۔ ان کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں — اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے بداعمال کئے۔ ان کا اسلام میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اسلام کا مطلب ہی انسانی زندگی کو خدا کے قانون کے تابع کر دینا ہے — اور خدا تعالیٰ کا قانون سعی اور کوشش کا قانون ہے ؟ بے عملی کا قانون نہیں۔"

اسلام اور مسلمان

موصوف نے بیان کیا کہ انسانی تہذیب کے اسلامی نظام کو محض مذہبی ہونے کی بناء پر ہی نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ اس کا باعث آج کل اور اس سے پہلے کے مسلمانوں کی حالت اور کردار بھی ہے۔ ازمنہ وسطےٰ میں عیسائیت اس لیے اسلام پر غور نہ کر سکی کہ ان دنوں میں عیسائیت پادریوں کی باندی تھی۔ آج کل کی طرح ان دنوں بھی یہ کہتے تھے کہ (المعاذ اللہ) محمد رسول اللہ جھوٹے نبی ہیں۔ وہ یہ کہنا بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ ممکن ہے اسلام میں کوئی چیز انسانیت کے لیے بہتر اور مفید ہو۔ علاوہ ازیں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان جنگوں کا سلسلہ رہا وہ بھی اس راستہ میں ایک مستقل رکاوٹ ثابت ہوا جس نے عیسائیوں کے تعصب اور تنگ نظری کو اور زیادہ ہوا دی۔ آخر یہ رکاوٹ تو آج دور ہو چکی... مگر آجکل مسلمانوں کی اپنی حالت ایسی نہیں جس سے کسی کو یہ اندازہ ہو سکے کہ انہیں انسانی ترقی کے راز کا علم ہے۔ آج کل کے مسلمانوں کے کردار اور زبوں حالی سے اسلامی تعلیمات کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان کی حالت کو دیکھ کر لوگ اسلام کو برا سمجھنے لگے ہیں۔ ع زشت منی سے تیری آئینہ ہے رسوا تیرا

زبوں حالی کی وجہ

موصوف نے کہا کہ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کی

ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے۔ جس طرح عیسائیت مغرب کی موجودہ مادی ترقی کی ذمہ دار نہیں۔ عیسائیت پادریوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور اس میں کوئی آزادی فکر نہ تھی۔ مگر اب اس زمانہ کو جب کلیسا کا دور تھا تاریک صدیاں کہا جاتا ہے۔ اسلام میں کوئی پاپائیت نہ تھی؟ اسلام میں فکر کی آزادی ہے۔ اور وہ زمانہ جب اسلام عروج پر تھا غیر معمولی طور پر صاف اور چمکدار روشنی کا زمانہ تھا۔ مسلمان تو اصل اسلام سے منحرف ہو کر تباہ ہوئے ہیں۔ اور عیسائی، عیسائیت کو چھوڑ کر مادی طور پر کامیاب ہوئے ہیں ۔ مسلمانوں کی تباہی کا باعث یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں انہوں نے اللہ کے سوا اور دوسروں کو اپنا خدا بنا لیا۔ فروعی بحثوں کو جزو زندگی بنا لیا۔ تعلیم کو ہر جگہ سے بطور مذہبی حاصل کرنے کی نصیحت کو چھوڑ دیا۔ انسانی فکر کو آزادی سے محروم کر دیا۔ اور عقل و براہین سے ڈرنا شروع کر دیا۔ ایک زمانہ آیا کہ جب انہوں نے اپنے فرائض کا ایک حصہ ترک کر دیا۔ یعنی وہ حصہ جو انہیں علم اور تعلیم حاصل کرنے اور فطرت کا مطالعہ کرنے کے لئے کہتا تھا۔ اسی زمانہ میں مغرب کے عیسائیوں نے اسلام کی اس تعلیم پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور وہ ترقی کر گئے (یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ مغربی قومیں اسلامی یونیورسٹیوں کی فیض یاب ہیں) اسلام میں اس لئے کوئی کلیسائی طرز کا

نظام نہیں رکھا گیا تھا کہ یہ چیز انسانی ترقی کے لئے زہر قاتل ہونے کے باعث مذہب کی روح کے منافی ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق مذہب کا مقصد انسانیت کی ترقی اور آزادی ہے۔ انسانیت کا جمود اور غلامی نہیں۔

موصوف نے کہا کہ اب دُنیا بھر کے مسلمان بیدار ہو رہے ہیں۔ اور وہ سمجھنے لگے ہیں۔ کہ ان کی ذلت، ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور انہیں صرف اسلام کے ذریعہ ہی سے دُنیا میں دوبارہ عروج حاصل ہو سکتا ہے۔

آپ کہیں گے کہ میں اصل موضوع اسلامی تہذیب کو چھوڑ کر مذہب کی طرف آنکلا ہوں۔ مگر اسلامی تہذیب مذہب اور اللہ تعالیٰ کی مطلق حاکمیت سے اس قدر لازم ملزوم ہے کہ جو باتیں میں نے کہیں ہیں۔ انہیں کے بغیر اسلامی تہذیب کا تذکرہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

سائنس۔ آرٹ۔ ادب اور حُسنِ معاشرت۔ یعنی زندگی کے ہر گوشے میں اسلامی تہذیب اپنے عروج و زوال میں ایک ہمہ گیر اور مکمل تصویر کسی کے تصور سے باہر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی قومیت ہمیشہ بین الاقوامیت میں تبدیل ہو جاتی رہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مطلق حاکمیت اور ہمہ گیر انسانی اخوت کے تصورات دونوں لازم و ملزوم ہیں۔"

اسلام کا نصب العین اور اس کا مسلک

اسلام کا مرکزی عقیدہ و نصب العین - ایمان باللہ ہے اور شاہراہ عمل و مسلک - جہاد فی سبیل اللہ ہے - اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں - اگر ایک ناقص ہو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ دوسرے میں بھی کچھ کمی ہے - یہ دونوں چیزیں اپنے اپنے معنی میں ایک ایسی کسوٹی ہے کہ جس پر ہر فرد، ہر جماعت، ہر قوم، ہر نظام اور قانون پرکھا جا سکتا ہے - اور اس میں کسی رو رعایت کی گنجائش نہیں ___ ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ، عالمگیر اور ہمہ گیر اصول حیات ہے - اور قرآن کریم کی عالمگیریت اور ہمہ گیریت کا مطلب بھی یہی ہے - کہ وہ ان دونوں اصول حیات کو نہایت واضح اور کھلے پیرایہ میں بار بار پیش کرتا ہے - اور یہ بھی بتاتا ہے کہ تمام آسمانی کتابیں اور زندگی کے فلسفے انہیں دونوں اصولوں کی شرح ہیں - قرآن کریم ان تمام آسمانی کتابوں کو ختم نہیں کرتا بلکہ ان کا مصدق اور ان سب کا جامع ہے - جیسا کہ پہلے بیان ہوا -

اگر نظر بصیرت سے دیکھا جائے تو ایمان باللہ کا عقیدہ انسانیت کے لئے ایک بلند و اعلیٰ نصب العین ہے - اور اس دنیا میں (ہر اعتبار سے) اس سے ارفع تصور ممکن نہیں - اللہ کے تصور میں وحدت انسانیت

اور وحدت کائنات سب آجاتے ہیں۔ اور ذہن کے سامنے لامحدود آفاق اور بے کنار وسعتیں وا انکشاف ہو جاتی ہیں۔ اللہ کا تصور سب پہنائیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ اور کوئی بلندی اور وسعت نہیں جو اس تصور سے بلند تر اور وسیع سوچی جا سکے۔

ایمان باللہ اور انسانی دوستی

ایمان باللہ کی سب سے اونچی منزل یہ ہے کہ آدمی یہ جانے کہ اس زمین و آسمان میں اگر کوئی وجود حقیقی ہے۔ تو اسی کا ہے۔ جو کچھ ہے۔ سب اسی کا فیضان ہے۔ اور جو کچھ ہوتا ہے اس کا سبب اصلی وہی ہے۔ ایمان باللہ یا خدا پرستی کی ایک منزل انسانیت دوستی ہے۔ اگر آدمی یہ جانتا ہے کہ سارے انسان اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور اس کو خالق سے حقیقی محبت ہے۔ تو لازمی ہے کہ اسے اس کی مخلوق سے بھی محبت ہو۔ اور اگر اسے اس کی مخلوق سے محبت نہیں تو یہ سمجھ لے کہ وہ خدا کی محبت کے دعوی میں سچا نہیں ــــ خدا پرستی کی پہچان اس دنیا میں تو یہی ہے کہ خدا پرست انسان کو خدا کے سارے بندوں سے محبت ہو۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی اس کی مخلوقات کی خدمت اور ان کی بہبودی میں ڈھونڈے ؎

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی ؎ اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

ذہن قومی ذہن کا انسانی تصور سے عاری ہونا زوال کی طرف اس کا پہلا قدم ہے۔ اسلام کے حق میں دوام کا دعویٰ محض اس پر تھا کہ وہ انسانیت عامہ کا تصور پیش کرتا ہے۔ مسلمان دراصل وہ ہے جس کے ذہن میں کل انسانیت کی گنجائش ہے۔ ایک لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بھی یہی معنی ہیں۔

ہمارے بزرگوں کا کہنا ہے کہ جسے صرف اپنے گروہ یا جماعت سے محبت ہے۔ اور وہ دوسروں کو جو ہم عقیدہ نہیں، نفرت سے دیکھتا ہے وہ سچا موحد اور خدا پرست ہی نہیں۔ وہ اپنی تعلیمات میں ہمیشہ اس بات پر زور دیتے رہے کہ تمام انسانوں کو عیال اللہ سمجھو۔ لیکن اس سے یہ خیال نہ ہو کہ انہوں نے صواب و ناصواب، اور گناہ و ثواب کی تمیز اٹھا دی تھی؛ بیشک نیکوکاروں کو وہ اچھا سمجھتے تھے لیکن غلط کاروں کا انہیں نیکوکاروں سے زیادہ خیال ہوتا تھا جس طرح ماں اپنے نافرمان بچے کے لئے زیادہ کڑھتی ہے۔ اور اس کا دوسروں سے زیادہ خیال ہوتا ہے۔ اسی طرح غلط کاروں کو سیدھے راستہ پر لگانے کے لئے یہ خدا پرست بزرگ بے قرار رہتے تھے۔ انسان دوستی خدا پرستی۔ یا ایمان باللہ کا یہی جذبہ تھا کہ جس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر کا آرام تج کر مکہ والوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے

جلے ناب کر دیا تھا۔ گو آپ کو ہر نعمت میسّر تھی۔ اور گھر کے اندر اور گھر کے باہر سب قسم کا اطمینان حاصل تھا۔ لیکن یہ دوسروں کا دُکھ اور ان کی گمراہی تھی کہ آپ کو بے چین کئے دیتی تھی۔ چنانچہ آپ مکہ میں اپنا پیغام سُناتے ہیں۔ طائف والوں کو جا کر حق کی دعوت دیتے ہیں۔ سختیاں ہوتی ہیں۔ تو صبر کرتے ہیں۔ اور جو سختیاں کرتے ہیں۔ ان کے لئے بددعا نہیں ؛ بلکہ دعا کرتے ہیں۔ الغرض ہر ایک کتاب آسمانی اسی انسانی دوستی کے مسلک کی ترجمان ہے۔ بعد والوں نے ان کی انسانی دوستی کو اپنے اپنے گروہوں کی دوستی تک محدود کر لیا۔

جہاد فی سبیل اللہ

صحیح خدا پرستی آگے چل کر لازماً انسانی دوستی کا موجب ہوتی ہے۔ قرآن مجید اس خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ کہ سب انسانوں کو ایک سمجھو۔ اور جس بات کو تم جانتے ہو کہ اس میں سب کا بھلا ہے۔ وہ بات ہر ایک سے کہو۔ سمجھاؤ۔ بار بار اس کے ذہن نشین کرو۔ اور اگر یہ بات اس کے دل میں راہ پیدا نہیں کرتی اور بیچ میں کچھ رکاوٹیں ہیں۔ تو نرمی سے ان رکاوٹوں کو دُور کرو۔ اور اگر نرمی سے کام نہیں چلتا تو تم طاقت استعمال کرو۔ یہ طاقت ان آدمیوں کے خلاف ہوگی۔ جو بُرائی کے مرتکب ہیں۔ اور نہ اس کا محرک ان سے نفرت کا جذبہ ہوگا۔

بلکہ درا صل ان رکاوٹوں کے خلاف ہوگی جو انسان کو انسانیت سے دُور رکھنے کا سبب ہیں۔ کلمۂ حق یہی ہے اور حق کے لئے جہاد کرنے کا یہی معنے ہے۔“

جہاد بے شک بُروں کے خلاف ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو اس سے مقصود بدی کا استیصال ہے۔ بدی سے جنگ کرنا انسانوں کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ اس جہاد میں اپنوں سے بھی لڑنا پڑتا ہے۔ کشت و خون تک نوبت پہنچتی ہے۔ لیکن یہ کشت و خون انسانی دوستی کے خلاف نہیں ہوتا۔ جنگِ بدر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابۂ کرام اسی یقین میں سرشار ہو کر اپنے باپوں بھائیوں۔ بیٹوں اور عزیزوں کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

بہرحال اگر کشت و خون کا مقصد اپنے گروہ اور اپنی اپنی ذات کا بچاؤ ہے تو یہ کشت و خون مردود ہے۔ اور اس کو اسلام نے عصبیت کہا ہے۔ اور عصبیت کے لئے لڑنا کفر ہے۔ لیکن انسانیت عامہ کے مفاد کی خاطر دل میں خلوص رکھتے ہوئے اگر کوئی لڑتا ہے۔ اشرف ترین عمل ہے۔ اس جہاد کی فضیلت اسلام میں یہ ہے کہ تمام انسانی اعمال میں ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑا درجہ دیا گیا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ درحقیقت یہی چیز تمام

فضائل و مکارم اخلاق کی روح - یہی فساد، بد امنی، اور طمع و ہوس، بغض و عداوت، و تنگ نظری کی جنگ ہے۔ جس کی آگ فرو کرنے کے لئے خداتعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو آخر تلوار اٹھانے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ کَبِیْرٌ

یعنی اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو (جو کہ مفسد ہوں) بعضوں کے ذریعہ سے (جو کہ مصلح ہوں) وقتاً فوقتاً دفع کرتے ہیں - یعنی اگر مصلحین کو مفسدین پر غالب نہ کرتے رہتے تو سرزمین تمام فساد سے پُر ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہاں والوں کی اس لئے وقتاً فوقتاً اصلاح فرماتے رہتے ہیں۔

تشریح: یعنی جہاد سے دُنیا کی دولت اور ملک گیری مقصود نہیں بلکہ فتنہ و فساد کو دبانا مقصود ہے۔ اس کے بغیر نہ دُنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ نہ شر و فساد کی جڑ کٹ سکتی ہے۔ نہ نیکیاں کرنے والوں کی شرارت سے نجات مل سکتی ہے اور نہ حق داروں کو حق مل سکتا ہے۔ اور نہ ایمان والوں کو ایمان اور ضمیر کی آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔ نہ سرکشوں کو ان کے جائز حدود میں محدود کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو مادی اور روحانی چین میسر آسکتا ہے۔ اور نہ خدا پرستی اور انسانی دوستی کا وجود

ہو سکتا ہے۔ اگر اسلام پر پھر بھی ایسی خونریزی کا الزام ہے۔ تو اسے اس الزام کے قبول کرنے میں ذرہ برابر بھی عار نہیں ہے۔

آہ۔ جنگ۔ ایک ناگزیر برائی ہے۔ عقل انسانی نے ہمیشہ خونریزی کا انسداد آج تک خونریزی سے ہی کیا ہے۔ اگر ہاتھ باندھنے سے صلح ممکن ہوتی تو نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کا سرمایہ کا منت پذیر ہوتا لیکن جب تک دنیا میں ابوجہل موجود ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امن پسندی کام نہیں آسکتی۔

اسلام کے پیش کردہ نقاط پر۔ مذہبی اور غیر مذہبی دنیا ایک قوم بن سکتی ہے

کسی قوم کی تنظیم اعلانوں، یا تنظیم کی تمناؤں کے اظہار سے نہیں ہوتی بلکہ فکر وخیال کی ہم آہنگی اور یکسانی سے ہوتی ہے۔ اس کے لئے ایک صحیح اور فطری نصب العین کو عملی طور پر سلے کر کے طے ہو جانے ہی سے قوم منظم ہو سکتی ہے۔ اور اس کے لیے اسلام کی بتائی ہوئی عالمگیر بنیادوں سے بڑھ کر کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا۔ ان بنیادوں کو ہم نے انقلاب انگیز مکتوب کے صـ۲۷ پر واضح کر دیا ہے۔ بہر حال ہماری اجتماعیت و تنظیم بین الاسلامی بھی ہے۔ اور بین الاقوامی بھی ہے۔ اور اس کے تحت بین الاطراف بھی ہے۔ لیکن ان سب کی روح وہی اخلاقیت وروحانیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قانون میں مذکور ہوتی ہے۔ اس لئے بقا و ترقی اور تعمیر و تنظیم کی سب سے پہلی اور سب سے آخری منزل مسلم (و غیر مسلم) کے لئے خدا کی تعلیمات کو رائج کرنا اور اس کی طرف سے دنیا کو دعوت دینا ہے۔

قرآن حکیم کے متعلق بحث آیندہ آنے والی ہے؛ اس وقت صرف اس قدر بیان کرنا مقصود ہے کہ قرآن مبین وہ کتاب ہے جس کے عالم گیر اصول نے مسلمانوں خصوصاً قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے اخلاق، اعتقاد، اعمال اور افکار و جذبات میں بھی عالم گیری پیدا کر دی۔ یہاں تک اس قوم اور اس کے لٹریچر کی بدولت پوری دنیا میں شعوری اور غیر شعوری طور پر عالمی مقاصد کا تخیل پھیل گیا۔ اس لئے قرآن حکیم میں اس قرآن کو پوری دنیا اور اس کے سارے جہانوں کے لئے پیغام ہدایت و مغفرت بتلایا گیا ہے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ — وہ تمام جہانوں کے لئے یاد دہانی ہے،

اور اسلام کے متعلق

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ — تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے،

فرمایا گیا ہے جس سے واضح ہے کہ اس کے فطری اور آفاقی اصول صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں، بلکہ ساری دنیا والوں کے لئے اصول ہیں۔ اگر یہ دارین کے لئے اختیار کئے جائیں تو دارین کی نجات و فلاح ہے۔ اور صرف دار دنیا کے لئے استعمال کئے جائیں تو دنیا کی بہبودی و ترقی ہے۔

غلط فہمی، یا لاعلمی سے سمجھ لیا گیا ہے کہ اس قرآنی لٹریچر کے مسائل

حیات اور شئون زندگی، کسی اگلے یا پچھلے دور کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور لکم ازکم آج کے ترقی یافتہ دور میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں، اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مذہب کو سیاسی اور معاشری میدان سے رخصت کر دیا جائے۔ اور اس کی جگہ مناسب وقت لادینی تصور اور فکر پیدا کیا جائے؛ کہ اس کے بغیر عالمی نظم اور عالمی سیاست وادارت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور اس دور میں عالمی حکومت قائم ہونا قومی خودکشی کے مترادف ہے۔

لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ عالمی زندگی، عالمی سیاست، اور بین الاقوامی ادارت ونظم کے نام پر جب اس کے اجزاء ترکیبی، یا اسباب موانع کو گنایا جاتا ہے تو سب کے سب وہی ہوتے ہیں جن کی طرف سب سے پہلے اسلام نے ہی توجہ دلائی ہے، اور اسی نے اس نقشہ پر عالمی نظام کا اعلان کیا ہے۔ مثلاً موانع کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ

جب تک نسلی امتیازات، اقتصادی اونچ نیچ، سیاسی برتری اور کمتری، آقائی اور غلامی کا فرق، قومیتوں اور وطنیتوں کی تعصب آمیز حدبندیاں، قومی طبقات کا عدم توازن، رابطہ عوام کی درمیانی رکاوٹیں ختم نہ کر دی جائیں، عالمی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔

سوال یہ ہے کہ ان موانع کو آپ کے سامنے کس نے پیش کیا اگر اسلام نے۔ اور بلا شبہ اسی نے، اور صرف اسی نے؟ اور سوچ

یہ کہنا کہ — آج کے ترقی یافتہ دور میں اس کا پیش کردہ فکر کارآمد نہیں۔ — کیا یہ خود اپنے ہی منہ پر طمانچہ مارنا نہیں ہے — یا اسی طرح جب عالمی نظام کے اسباب و مبادیات گنا تے ہوئے کہا جاتا ہے کہ جب تک اخوت عامہ، ہمہ گیر مساوات، نسلی اکتائی، اور پوری دنیا کا ایک عالمی کریڈ اور مسلک — سامنے نہ لایا جائیگا۔ اس وقت تک معاش کا عمومی توازن، بین الاقوامی شعور، قوانین بین الملکی، عالمی حکومت قائم نہیں ہو سکتی ؟

سوال یہ ہے کہ ان اجزاء کا شعور آپ میں کہاں سے آیا ؟ اگر اسلامی لٹریچر سے آیا ہے۔ اور بلاشبہ اسی سے آیا ہے کیونکہ اس سے پہلے بین الاقوامیت کا نعرہ لگا کر کسی ملت نے بھی کوئی مکمل بین الاقوامی پروگرام پیش نہیں کیا جس میں تمام شعبہ ہائے زندگی کی رعایت ہو۔

تو پھر یہ کہنا کہ یہ لٹریچر آج کے دور میں کافی نہیں ہے۔ خود اپنے ہی کو جھٹلانا نہیں تو اور کیا ہے ؟ معاف کرنا اس کا معنی اس کے سوا اور کیا نکلتا ہے کہ دنیا اس قانون کے عالم گیر اجزاء کو تو ماننا چاہتی ہے۔ مگر اس کی طرف منسوب کر کے ماننا نہیں چاہتی — گویا مانگ کر لینا نہیں چاہتی ہے۔ چرا کر اڑانا چاہتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر خدائی قانون اور مذہب کا نام رکھ کر تسلیم کرنا نہیں چاہتی۔ بلکہ اپنا مفروضہ کہہ کر قبول کرنا چاہتی ہے۔

یہ اندازِ تسلیم اچھا ہو یا بُرا مگر اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ آج کی دُنیا زندگی کی جد وجہد اور شئونِ حیات میں ان اسلامی اصولوں سے کسی طرح بھی مستغنی نہیں ہے۔ اور وہ طوعاً یا کرہاً ان کی طرف جھکنے کے سوا چارہ نہیں دیکھتی۔ دُنیا اِن اسلامی اصولوں سے کسی طرح بھی مستغنی نہیں ہو سکتی۔

مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں سے

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

آج جب کہ سنجیدہ اور فکر مند غیر مسلم بھی اسلام کے معاشی، اور سیاسی نظام کو اسے کسی خاص دَور یا خاص فرقہ کے لئے مخصوص نہیں سمجھتے۔ تو مسلمانوں کے لیے اس کی کیا گنجائش نکل سکتی ہے کہ وہ اسے کسی دَور کے ساتھ مخصوص سمجھنے کی جرأت کریں۔

نیز جب کہ عامۃً اقوامِ دُنیا کی بین الاقوامی زندگی ہی ان شئونِ حیاتؐ کے بغیر زندگی نہیں بنتی۔ گویا کہ کسی قوم کو بھی اس بارہ میں مسلم بننے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ گو وہ بلا اعلان اور بلا عنوان ہی کے مسلم بنے۔ تو خود مسلم قوم کی زندگی اسی دستورِ حیات کے بغیر کیسے بن سکتی ہے۔ اور کس طرح کی زندگی کہلائی جا سکے گی۔

یورپین تہذیب و تمدن سے اثر پذیر مرعوب الذہن فرزندانِ اسلام کی غلط فہمیاں رفع کرنے اور فریب نفسی پر تنبیہ کرنے کے لئے ایک علیحدہ مجموعہ "فریب تجدد و شاہین" کے عنوان سے جو دو صد سے زائد صفحات پر چھپا ہوا ہے۔ مرتب کر لیا ہے جس میں مغربی قوموں کی اسلامی دشمنی اور اسلام و بانیِ اسلام کے متعلق خطرناک چالیں اور سازشیں کی گئی ہیں اور نیز اپنی قوم اور دنیا کی قوموں کو اسلام جیسے حق اور عالمگیر مذہب سے بدظن اور متنفر کرنے اور چھپانے کی کوششیں کی ہیں اور جو اس سلسلہ میں انہوں نے غلط بازیاں کھائی ہیں۔ ان سب باتوں کو کھول کر تاریخی و علمی اور عقلی معیار سے وانشگاف کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ یہ مجموعہ بھی ناظرین کے سامنے اس مجموعہ کے بعد پیش کیا جائے گا۔ جتنی جلدی ہمارے معاونین اس کی تیاری میں ہماری امداد کریں گے اتنی جلدی ہی جلد شائع ہو سکے گا۔

بہرحال ایک تو خود اسلام کا اپنا مجموعہ ہی ایک زبردست دلیل ہے کہ یہ انسانوں کی وضع کردہ چیز نہیں ہو سکتا بلکہ ایسے مذہب اور نظام حیات کا واضع خدا ہی ہو سکتا ہے۔

تمہید قرآن

دوسرے چونکہ اس دین کی اصلی اساس قرآن ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ کی اپنی کلام ہے اور اسلام کی ترجمان بھی ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس

ذریعہ سے بھی حق و حقیقت کے طالبوں کے سامنے اسلام کی حقانیت و صداقت کو پیش کیا جائے ۔

ویسے بھی جو کچھ دین اسلام کے متعلق پہلے بیان کیا گیا ہے ۔ یعنی یہ کہ دین اسلام کسی ایک ملک، قوم، یا زمانہ کے لئے مخصوص نہیں، اور اسلام تمام انسانیت کا دین ہے وغیرہ ۔ اور پھر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن ہی اس دین اسلام کا قانون اساسی ہے اور ترجمان بھی ہے، تو یہیں سے یہ دعویٰ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن بھی خدا تعالیٰ کی کلام ہے جس نے ایسا عالمگیر نظام پیش کر دیا جو انسانوں کی قدرت و طاقت سے باہر ہے ۔

قرآن شریف میں جو باتیں بطور دلائل اختیار کی گئی ہیں ۔ اس میں ایک نمایاں استدلال واقعات کا استدلال ہے ۔ جس کی اصلی حقیقت ان کے ماننے والوں کو بھی معلوم نہ تھی ۔ قرآن حکیم نے ان حقائق کو آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی کے ذریعے واضح کر دیا اور اب جدید آثار قدیمہ کی تحقیقات کا سلسلہ ان کی تصدیق کرتا جا رہا ہے ۔

لیکن اس منطقی والتزامی اور بیرونی ثبوت کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ نے جو قرآن کریم کے متعلق اپنے کلام ہونے کا چیلنج کیا ہے ۔ انشراح صدر کے لئے اس کا بیان کرنا بھی نہایت ضروری ہے ۔ اس لئے اب ہم قرآن حکیم کے متعلق بحث شروع کرتے ہیں ۔

عقل اور قرآن

آؤ ہم اپنے تحقیقاتی فانوس کا رُخ قرآن کی طرف کریں اور دیکھیں کہ وہ اس جانچ پڑتال میں کیسا اُترتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے جو پہلی چیز پیش نظر ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ عقل قرآن کا مقابلہ کرے۔ قرآن عقل کو چیلنج دیتا ہے اور با آواز بلند کہتا ہے کہ عقل تو کہاں ہے؟ کیوں مجھ سے گریزاں ہے؟ آ مجھے با آنکھ ہو حقیقت کو دیکھ اور اس کو قبول کر۔ قرآن کہتا ہے کہ مجھے بیوقوفوں سے سروکار نہیں۔ کچھ شک نہیں کہ خدا کے نزدیک، تمام جانداروں سے بدتر بہرے گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے (۲۳ ۸-انفال)

اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر گندگی ڈالتا ہے (۹ ۱۰ یونس)

خدا فرماتا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو عربی میں اتارا۔ تاکہ (اس میں) عقل لڑاؤ (۲ ۱۲-یوسف)

ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے۔ جس میں تمہارے لئے یاددہانی ہے۔ کیا یہ تمہاری عقل میں نہیں آتا (۱۱ ۲۱ انبیاء)

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں (۴۳ عنکبوت)

ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر دیتے ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھو (۱۱۸ ۳ آل عمران)

اسی طرح خدا اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو (۴ ع نور)
اسی طرح وہ تم کو وصیت کرتا ہے تاکہ تم سمجھو (۱۹ ع ۱۹ انعام)
خدا تعالےٰ اپنے وجود اور وحدانیت کو زبردستی منوانا نہیں چاہتا اور عذاب کا ڈر بتا کر انسان سے اعمال حسنہ کرانا نہیں چاہتا۔ بلکہ وہ چاہتا ہے۔ کہ انسان اپنی عقل سے کام لیکر قرآن کی تعلیم قبول کرے۔ اور اس کا عمل اس کے عقیدے پر اور اس کا عقیدہ اس کے غور و فکر کے نتیجہ پر مبنی ہو۔ خدا مظاہر قدرت کی طرف انسان کو توجہ دلاتا ہے۔ کفار مکہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کے ثبوت میں کہ وہ خدا کے پیغام بر دار ہیں۔ نشانی معجزہ طلب کرتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں قرآن پیش کیا جاتا ہے کہ اس سے بڑھ کر عقل کی تشفی کے لئے کوئی نشانی نہیں ہو سکتی۔

یہ پیغام سراپا حکمت ہے جو حکیم برحق کی طرف سے کتاب حکیم کے ذریعہ سے اس رسول حکیم کی لسان حکمت سے جس کے گھروں میں اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتوں ہی کا تذکرہ ہوتا تھا (۴ - ۴ - احزاب)
انسانوں کو حکمت سکھانے کے لئے اتارا گیا ہے۔ اس کی تعلیم سے خود عقل کو جلا ملتی ہے اور اس میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔

چیلنج قرآن تمام قوموں کے نام

یہ چیلنج مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہے کہ یہ سمجھ کر اس کو نظر انداز نہ

کر دیا جائے؟ بلکہ یہ چیلنج خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جس کا یہ قرآن مجید
کلام ہے۔ ف:۔ اس چیلنج کا عاجز کرنے، یا کسی تہدید پر ہی مبنی ہونا
ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی گہری حکمت پر بھی مبنی ہو سکتا ہے۔
جس میں بندوں کا فائدہ مدِ نظر رکھا گیا ہے اور انہیں مطمئن کرنا منظورِ نظر
رہو۔ وہ یہ کہ فطرتاً خدا پرست انسان جب کسی مذہبی بات میں شک و تردد
میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اپنے غور و فکر سے یقین حاصل نہیں کر سکتا۔ اور
کسی کی بات پر اس کو اعتماد حاصل نہیں ہوتا، تو لا محالہ اپنے خدا کی طرف
رجوع کرتا ہے۔ بس ایسی حالت کے پیش آنے کے وقت ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ
کی طرف سے اس کے سامنے رہنمائی کے لئے ایسی کتاب پیش کی جائے جو خدا
ہی کی کلام ہونے میں یقینی ہو۔ تاکہ خدا پرست انسان کو اس کے فیصلے پر
یقین حاصل ہو جائے اور تمام شکوک و شبہات رفع ہو جائیں اور اس کا
دل مطمئن ہو جائے۔ پھر اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس کے کلام خدا
ہونے کے واسطے بھی پختہ ثبوت ہو کہ یہ خدا کا ہی کلام ہے اور اس کا
ہی یہ فیصلہ ہے غیر کا نہیں ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو معجزہ قرار
دیدیا۔ اور چیلنج بھی کر دیا کہ یہ ایسا کلام ہے جس کی مثل کوئی نہیں لا سکتا۔
اور اس میں کا ہر فیصلہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ اور اس کی ہر بات میری اپنی
کہی ہوئی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ قرآن کو معجزہ قرار نہ دیتا تو اس کے بندے

قرآن سے مطمئن نہ ہوتے - اور اس لئے یہ اعلان بھی کر دیا کہ یہ میرا کلام بالفاظہٖ ہمیشہ محفوظ رہے گا - کوئی اس کو بدل نہیں سکے گا - فرمایا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ - اور فرمایا	ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی پاسبان بھی ہیں -
لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ	اس میں باطل کسی جانب سے نہیں آ سکتا - یہ اللہ تعالے رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے -

قرآن کا چیلنج - اسلام کے مکمل ہونے ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم نبوت ہونے ، اور قرآن حکیم کے مکمل دستور العمل ہونے کی حکمت پر مبنی معلوم ہوتا ہے - ان کے علاوہ اور حکمتیں بھی ہو سکتی ہیں - لیکن یہ بھی ایک ایسی حکمت ہے کہ ہر ایک غور و فکر کرنے والے کے لئے قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی دلیل بن سکتی ہے -

اوپر کی تینوں باتوں کا ہمیشہ اور ساری دنیا کے لئے ہونا - ایک حیرت انگیز بات ہے ، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی صداقت تقریباً پونے چودہ صد سال سے روز روشن کی طرح ثابت ہوتی آ رہی ہے - صحیح عقل و فکر رکھنے والے دل و دماغ اور علمی دنیا اس کو مانتے چلے آ رہے ہیں -

بلکہ جس قدر بھی دنیا زیادہ ترقی کرے گی۔ ان باتوں کی حقانیت اور صداقت
زیادہ سے زیادہ روشن ہوگی۔ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے یہ حسن عقیدت یا مذہبی
اعتقاد کی ہی بات نہیں بلکہ کسی زمانہ کا فلسفہ اور سائنسی تحقیقات ان
باتوں کو غلط نہ ٹھہرا سکیں۔ یہ صحیح ہے کہ آج کل کے اکثر مسلمان قوم کے
افراد جاہل اور اوہام پرست ہیں۔ جو کئی قصے کہانیوں اور احمقانہ عقائد
پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر جہاں اسلام کے مستقل احکام ذہن انسانی کو
اتنا بلند کر چکے ہوں وہاں اس قسم کے خیالی خولی عقائد زیادہ دیر نہیں
ٹھہر سکتے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر اوہام کتبی علوم ماضی
کا چربہ ہیں۔ روح اسلام کا یہ تقاضا ہے کہ اب علوم جدیدہ کی روشنی
میں ان اوہام کی تطہیر کی جائے۔ اسلام مبنی بر عقل ہے۔ اسلام
میں ایسے شخص کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ جو سینٹ اگسٹائن کی
طرح یہ کہے کہ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ کیونکہ یہ ناقابل فہم ہے۔
قرآن جگہ جگہ یہ کہتا ہے کہ جو مذہب عقل کی کسوٹی پر پورا نہیں اتر
سکتا وہ جھوٹا ہے۔ وہ لوگوں سے بار بار کہتا ہے کہ وہ مذہب کے بارہ
میں اپنی عقل بالخصوص عقل سلیم کو کام میں لائیں۔ تمام تاریخی تجربہ شاہد
ہے کہ انسانی ترقی کے لئے بہت سی آزادانہ سوچ بچار ازبس ضروری
ہے۔ یہی تاریخی تجربہ ہمیں بھی بتاتا ہے کہ جو قومیں اللہ سے اپنا

ہیں - وہ پستی میں گر جاتی ہیں -

کیا یہ دونوں چیزیں (۱) اللہ پر جیتا جاگتا ایمان ؛ (۲) آزادانہ سوچ بچار متضاد ہیں ؟ مغرب کے بہت سے مفکر تو یہی رائے ظاہر کرتے ہیں - بلکہ ایک مشہور مغربی سیاستدان سے یہ قول منسوب ہے کہ اللہ کا عملی سیاست میں کوئی حصہ نہیں ؛ چونکہ تھیوکریسی، کا وہ نمونہ جو یورپ نے ازمنہ وسطیٰ میں دیکھا تھا ایسا تھا جو معجزوں کی کہانیوں اور گرجوں کی رسموں سے لازم ملزوم تھا - اور ان دنوں لوگ تھیوکریسی کو دنیا سے بد سے فرار اور پناہ کی جگہ سمجھتے تھے - اس لئے ان لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ تھیوکریسی - ہر صورت میں ناقابلِ عمل اور کسی راہب یا مذہبی جنونی کا خواب ہے - جدید سائنس (ایسے) معجزوں کو ناقابلِ قبول قرار دے چکی ہے - اور آجکل لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اس دنیا کی دولت سے فائدہ اٹھانا، اور اس دنیا میں اپنی حالت کو بہتر بنانا ان کا فرض ہے -

تھیوکریسی کا وہ تصور جس کی بناء معجزوں پر ہے، اور جس کا انسانی ضروریات سے دور کا بھی تعلق نہیں - دراصل مایوسی پر مبنی ہے - اس کے مطابق یہ دنیا شیطانی کارگاہ ہے - اس لئے ہر نجات کے طالب کو دنیا سے بھاگنا چاہیئے -

لیکن بہرحال اسلام نے ثابت کر دیا ہے کہ ان دونوں یعنی اللہ تعالیٰ میں جیتا جاگتا ایمان اور آزادانہ سوچ بچار میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے۔ اسلام کے ابتدائی اور کامیاب دور میں جہاں مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان تھا۔ وہاں وہ اس کے ساتھ دنیا کے ہر موضوع پر آزادانہ سوچ بچار بھی کرتے تھے۔

اس طرح وہ تہذیب کہ جس کی جو فطری اور ابدی سچائیوں پر مبنی ہو وہ تو موجودہ دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے تاکہ اس دور کی زہرناک مطلب پرستی کی روک تھام ہو سکے۔ ایسی تہذیب کہ جس کی بنیاد میں فطرت پر استوار ہونے کے باعث سائنس کی تحقیقات یا انسان کی پرواز فکر سے متزلزل نہیں ہو سکتیں۔ سائنس کی ترقی دنیا کے جتنے زیادہ عجائب دریافت کرے گی۔ اتنا ہی زیادہ سچا مسلمان اللہ تعالیٰ کے جلال۔ الوہیت اور بادشاہی کا قائل ہوتا جائے گا۔

جب تک فطری قوانین قائم ہیں۔ اور جب تک انسانوں اور قوموں کے بعض افعال کے اچھے یا برے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

اس وقت تک ضروری ہے کہ انسان اپنی زندگی میں اپنی مرضی کے اوپر کوئی اعلیٰ مشیت تسلیم کرے، اور اپنے فیصلے سے اوپر کسی اعلیٰ ہستی

کے فیصلہ کا منتظر رہے، اور اپنی مرضی کو اس اعلیٰ ہستی کی رضا کے سپرد کر دے، تاکہ اسے کامیابی حاصل ہو۔ قرآنِ پاک کی تعلیم کے مطابق یہی اسلام ہے۔

معجزے کی حقیقت

اسلام کی تعلیم کے مطابق نہ معجزے خدائی کا ثبوت ہیں۔ اور نہ وہ قوانین فطرت کے منافی ہیں کیونکہ قوانین فطرت خدا کے بنائے ہوئے ہونے کی وجہ سے مقدس ہیں۔ معجزے صرف انسانی ترقی سے بعض ایسی منازل کو ظاہر کرتے ہیں۔ جہاں وہ قوانین جو عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بہت سے معجزے منسوب ہیں۔ مگر سنجیدہ مسلمان ان معجزوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت کے طور پر بیان کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتا۔ تمام معجزوں سے بڑا معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قرآن۔ اور حضور صلعم کی شخصیت ہیں۔ آپ کے ارشادات، اور آپ کی زندگی، آپ اپنا ثبوت ہیں۔

قرآن — پیغام قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت

ان تینوں چیزوں کو باری تعالےٰ نے انسانی زندگی کے لئے ہمیشہ کے واسطے اصل اور بنیاد قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے

اور اس کے فیصلے اٹل ہیں چنانچہ جیسا سے اس فیصلے اور قرار داد کا اعلان ہوا ہے۔ یہ چیزیں اپنی پوری شان صداقت سے بدستور آج تک محفوظ و معمول بہا چلی آرہی ہیں۔ لوگوں نے ان کو گھٹانا اور مٹانا چاہا؛ مگر ایسے لوگ سب خائب و خاسر ہوئے یا مٹا دیئے گئے۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر کسی صداقت اور حفاظت کی دلیل ہو سکتی ہے؟

قرآن حکیم خدا کی ہی کلام ہے

اندرونی دلائل ـــ بیرونی دنیا میں اس کے دلائل اس قدر پائے جاتے ہیں کہ انکار کرنے کے لئے سخت درجہ بلادت ذہن، اور ایک انتہائی اندھے پن اور آخری درجہ کے تعصب کی ضرورت ہے۔ آئندہ وہ شواہد بھی پیش کئے جائیں گے۔ پہلے قرآن مجید کے اپنے دلائل جو اس بارہ دیئے ہیں پیش کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ اس کتاب (قرآن) میں کوئی شک نہیں یہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ تو تقویٰ اختیار کرنے والوں کو راہ بتانے اور دکھانے والی ہے۔

تشریح: ـ یعنی قرآن فی حد ذاتہ معجزہ ہے یہ ایسا معجزہ نہیں جو کسی غیر متعلق واقعہ کی مثال پیش کرکے سمجھ لیا جاتا تھا کہ نبوت مکمل ہوگیا۔ امام غزالی رح نے اس طرز کی نسبت کیا خوب لکھا ہے کہ اگر کوئی بھان متی کا تماشا کرنے والا مجھ سے کہے کہ تین کا عدد دس سے زیادہ ہوتا ہے اور

اس کا ثبوت چاہو تو میں اس چھڑی کا سانپ بنا کر دکھا دیتا ہوں، تو میں بے شک اس کے ہتھکنڈے کا تو قائل ہو جاؤں گا۔ مگر اس کے دعویٰ کو کسی طرح تسلیم نہ کروں گا۔ بایں ہمہ ہزار برس سے زیادہ عرصہ تک یہی منطق یورپ بھر میں رائج رہی اور اسی قسم کے لغو وعوے ایسے ہی فضول و مہمل ثبوت پر صحیح مانے جاتے رہے۔ لیکن قرآن کا اعجاز ایسا نہیں یہ خدا تعالٰے کی کتاب ہے اور خدا تعالٰے کی ذات ہر قسم کی خطا سے مبرا ہے اس لئے اس کی کتاب بھی شک و شبہات سے بالا ہے۔ قرآن یقین ہے۔ بصیرت ہے۔ نور ہے ہدایت ہے، فرقان ہے۔ وہ دلوں کو اطمینان اور دماغ کو سکون عطا کرتا ہے۔ اور ان حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے جن کا ادراک خود عقل نہیں کر سکتی۔ پھر قرآن کا کام یہ ہے کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہیں ہدایت کی روشنی عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم نے کئی جگہ اپنے کو اللہ کا کلام ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس کے بارہ میں چیلنج بھی کیا گیا ہے۔ ۱؎ سورہ بقرہ ع ۳ ۔ ۲؎ سورہ یونس ع ۴ ۳؎ سورہ ہود ع ۲ ۴؎ سورہ بنی اسرائیل ع ۹ ۵؎ سورہ طور ع ۲ ۔ ان میں سے ہر ایک مقام کو آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

تنبیہ ۔ ابتدا میں پورے قرآن کی تحدی کی گئی تھی، پھر دس سورۃ

سے ہوئی۔ پھر ایک سورۃ سے ہوئی، جیسا کہ بقرہ اور یونس میں

گویا ان کا عجز بتدریج نمایاں کیا گیا۔ سورۃ بقرہ ع ۳ -

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا — اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم

نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا — نے اپنے بندے پر اتاری ہے ہماری ہے یا نہیں تو تم

بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا — اس کے مانند ایک ہی سورۃ بنا لاؤ، اپنے سارے حمایتی

شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ — کو بلا لو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو

اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ — لے لو۔ اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ ۱

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا — لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، اور یقیناً کبھی نہیں

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا — کر سکتے تو ڈرو اس آگ سے جس کے ایندھن

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ — بنیں گے انسان اور پتھر ۲ جو تیار کی گئی ہے

لِلْكَافِرِينَ — منکرین حق کے لیے۔

---

۱ اس سے پہلے مکے میں کئی بار یہ چیلنج دیا جا چکا تھا کہ اگر تم اس قرآن کو انسان کی تصنیف سمجھتے ہو تو اس کی مانند کوئی کلام تصنیف کر کے دکھاؤ۔ اب مدینے میں پہنچ کر پھر اس کا اعادہ کیا جا رہا ہے۔

۲ اس میں لطیف اشارہ ہے کہ وہاں صرف تمہیں دوزخ کا ایندھن نہ بنو گے، بلکہ تمہارے معبود بھی وہاں تمہارے ساتھ ہی موجود ہوں گے۔ جنہیں تم نے اپنا معبود و مسجود بنا رکھا ہے۔ اس وقت تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ خدائی میں یہ کتنا دخل رکھتے تھے (تفہیم القرآن)

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

کیا لوگ کہتے ہیں کہ یہ بنا لایا ہے تو کہہ دے تم لے آؤ ایک ہی سورۃ ایسی یا لو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

تشریح:- یعنی اگر میں بنا لایا ہوں تو تم بھی میری طرح بشر ہو سب مل کر ایک سورت جیسی بنا لاؤ۔ ساری مخلوق کو دعوت دو تو سمجھ لیا جائے گا کہ قرآن بھی کسی بشر کا کلام ہے جس کا مثل دوسرے لوگ لا سکتے ہیں۔ مگر محال ہے کہ کوئی مخلوق ایسا معارضہ کر سکے۔ جس طرح خدائی زمین اخدا کے سورج جیسا سورج، خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ

بات یہ ہے کہ جھٹلانے لگے جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا۔ اور ابھی آئی نہیں اس کی حقیقت۔

(یونس ع ۴)

تشریح:- یعنی قرآن کو مفتری کہنا سمجھ کر نہیں۔ محض جہل و سفاہت اور قلت تدبر سے ہے۔ تعصب اور عناد انہیں اجازت نہیں دیتا کہ ٹھنڈے دل سے قرآن سے حقائق اور وجوہ اعجاز میں غور کریں۔ بدفہمی یا

سمجھ لو کہ ایسا کلام خالق ہی کا ہو سکتا ہے۔ جس کا مثل لانے سے تمام مخلوق عاجز رہ جائے۔ تو یقیناً یہ وہ کلام ہو گا جو خدا نے اپنے علم کامل سے پیغمبر پر اتارا ہے۔ بیشک جس کے کلام کا مثل نہیں ہو سکتا، اس کی ذات و صفات میں کون شریک ہو سکتا ہے۔ ایسا بے مثال کلام اسی بے مثال خدا کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ کیا ایسے واضح دلائل کے بعد بھی مسلمان ہونے اور خدا کا حکم بردار ہونے میں کسی چیز کا انتظار ہے۔

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَ	کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں
الْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ	ایسا قرآن، ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن،
هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ	اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی۔
وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ	(ترجمہ مولانا شبیر رح ۱۰)

ظَهِيرًا (بنی اسرائیل ع ۹۶)

تشریح:- تفہیم القرآن میں سورہ بنی اسرائیل رکوع ۹- کی آیات میں قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی تین دلیلیں پیش کی ہیں۔

۱- یہ قرآن اپنی زبان، اسلوب بیان، طرز استدلال، مضامین، مباحث، تعلیمات اور اخبار غیب کے لحاظ سے ایسی بے مثل کتاب ہے کہ ایک انسان تو کیا تمام انسان مل کر بھی اس طرح کی کتاب تصنیف نہیں کر سکتے، بلکہ اگر وہ جن بھی جنہیں مشرکین نے اپنا معبود بنا رکھا

ہے، اور جن کی شہرت پر یہ کتاب اعلانیہ ضرب لگا رہی ہے منکرین
قرآن کی مدد پر اکٹھے ہو جائیں - تو ان کو اس قابل نہیں بنا سکتے کہ قرآن
کے پایہ کی کتاب تصنیف کر سکے اس چیلنج کو روک سکیں -

۲ - دوسرے یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہیں باہر سے یکایک
تمہارے درمیان نمودار نہیں ہو گئے، بلکہ اس قرآن کے نزول سے پہلے بھی
چالیس سال تمہارے درمیان رہ چکے ہیں - کیا دعویٰ نبوت سے ایک دن
پہلے بھی کبھی تم نے ان کی زبان سے اس طرح کا کلام سنا، اور ان مسائل
اور مضامین پر مشتمل کلام سنا - یقیناً نہیں سنا تھا - تو کیا یہ بات تمہاری
سمجھ میں آتی ہے کہ کسی شخص کی زبان، خیالات، معلومات اور طرز فکر و
بیان میں یکایک ایسا تغیر واقع ہو سکتا ہے -

۳ - تیسرے یہ کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قرآن سنا کر کہیں
غائب ہو جاتے ہیں، بلکہ تمہارے درمیان ہی رہتے سہتے ہیں۔ تم ان
کی زبان سے قرآن بھی سنتے ہو اور دوسری گفتگوئیں اور تقریریں بھی
سنا کرتے ہو، قرآن کے کلام اور محمد صلی اللہ کے اپنے کلام میں زبان
اور اسلوب کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی ایک انسان کے دو اس قدر
مختلف اسٹائل کبھی ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ فرق صرف اسی زمانہ میں واضح
نہیں تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک کے لوگوں میں رہتے تھے

سنتے تھے۔ بلکہ آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپ کے سینکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں۔ ان کی زبان، اور اسلوب، قرآن کی زبان اور اسلوب سے اس قدر مختلف ہیں۔ کہ زبان و ادب کا کوئی مزاج شناس نقاد یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔

مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو۔ سورۂ یونس آیت ۱۷ کا حاشیہ ۱۱

اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا ‏ یا کہتے ہیں یہ قرآن خود بنا لایا۔ کوئی نہیں
یُؤْمِنُوْنَ ۚ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ ‏ پر وہ یقین نہیں کرتے پھر چاہیئے کہ لے
مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ‏ آئیں کوئی بات اس طرح کی اگر وہ سچے ہیں۔

تشریح:۔ یعنی کیا یہ خیال ہے کہ پیغمبر جو کچھ سنا رہا ہے۔ وہ اللہ کا کلام نہیں؟ بلکہ اپنے دل سے گھڑ لایا ہے اور جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر دیا سو نہ ماننے کے ہزار بہانے، جو شخص ایک بات پر یقین نہ رکھے اور اسے تسلیم نہ کرنا چاہیئے، وہ اس طرح بے سروپا احتمالات نکالا کرتا ہے۔ ورنہ آدمی ماننا چاہیئے تو اتنی بات سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی اس قرآن کا مثل نہیں لا سکتے اور جیسے خدا کی زمین جیسی زمین اور اس کے آسمان جیسا آسمان بنانا کسی سے ممکن نہیں۔ اس کے قرآن جیسا قرآن بنانا بھی ممکن نہیں، محال ہے ۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی ‏ تو کہدے کہ اس قرآن کو اس اللہ تعالٰی نے اتارا ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط   جو آسمانوں اور زمینوں کے تمام اسرار جانتا ہے۔

۱۵ ہلاک کی آیات کے تحت مولانا سلیمان صاحب منصور پوری رح نے لکھا ہے کہ غور کرنے کی بات ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ ایک شخص نے کوئی ایسا دعویٰ کیا ہو جو دنیا بھر سے نرالا اور فوق تر ہو۔ اور ثبوت میں ہمیشہ کے لئے ایک تنبیہات کو پیش کر دیا ہو اور اس کو اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا ہو۔ اور اس دعویٰ کا انکار کرنے والوں کو فضیلت عنایت اور خلود وغیرہ کی ذلتوں کے مقابلے جوش بھی دلایا ہو۔

جرأت افزا چیلنج جس کا اب تک جواب نہیں دیا جا سکا دیا بھی نہیں جا سکے گا۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم   حکمت او لایزال است و قدیم
نقش قرآں تا دریں عالم نشست   نقشہائے کاہن و پاپا شکست
نسخۂ اسرار تکوین حیات   بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
در زماں از حفظ او بے ہمیشہ شد   از کتاب صاحب دفتر شد

(اقبال مرحوم)

آج تک ساری دنیا کی آبادی سے قرآن حکیم کا چیلنج آرہا ہے کہ میں سورۃ فاتحہ کی بسم اللہ سے شروع ہو کر سورۃ الناس کے ختم تک تیس پاروں پر مشتمل خدا تعالیٰ کا کلام ہوں۔ اور میرا ایک حرف بھی بدلا نہیں جا

کی طرف سے نہیں ہے۔ اگر دنیا کی ساری آبادی میں سے کسی کو میرے متعلق خدا کی کتاب اور کلام ہونے میں شک اور تردد ہو تو اس کو چیلنج ہے کہ میری سورتوں جیسی ایک سورۃ چھوٹی سورۃ بنا لے۔

کیا اس سے زیادہ اہم اور حیرت انگیز کوئی عظیم الشان دعویٰ اور مظہر حقیقت اور صداقت ہو سکتی ہے؟ کہ اب تک چودہ سو سال سے اس قدر طویل مدت میں بے شمار انسان دنیا میں ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اور کسی زمانے میں بھی کوئی انسان قرآن کا جواب نہ دے سکا۔ اور نہ اس وقت سے اس وقت تک مدارِ علم اور عقلیات میں ترقیات پر ترقی ہوتی چلی آ رہی ہو، دنیا کے جغرافیے بدل گئے ہوں اور علم و نظریات نے مختلف متبادل صورتیں اختیار کر لی ہوں، اور ہر ایک بدلنے والی چیز کے آخر میں جدید اور قدیم کا اضافہ ہوتا چلا آ رہا ہو مثلاً فلسفہ جدید، فلسفہ قدیم، نظریہ جدید، نظریہ قدیم آہ لیکن اگر نا بدلا ہو صرف ایک قرآن! اور قرآن کے پیش کردہ اصول اور اس کی صداقتیں اور اس کے فیصلے!

قرآن حکیم نے بدلنا نہیں تھا وہ تو ہر ایک زمانہ کے مناسب پہلے ہی اپنے اندر مضبوط اصول و قوانین محفوظ کئے ہوئے تھا۔ جو چیزیں اب وجود میں آ رہی ہیں اور جن نظریات کی تصدیق ہو رہی

ہے۔ قرآن کریم پہلے چودہ سو سال پہلے ہی سے اس کی خبر دے چکا تھا۔ لوگوں نے قرآن کی پیش کردہ باتوں کو عقل سے بعید اور محال سمجھا لیکن تجربات اور تحقیقات اور علوم سائنس ان پر مہر تصدیق لگا رہے ہیں۔

قرآن حکیم کے بیان کردہ باتوں کی صداقت قرآن کریم کے نزول ہی کے وقت سے ظاہر ہوتی چلی آ رہی ہے۔ ہر ایک بات جو اپنے زمانہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہو کر رہے گی۔ جیسا کہ اب تک ہوتا چلا آرہا آئندہ بھی ایسا ہوگا۔"

قرآن کریم ایسی باتوں کو جو ہمارے دائرہ علم سے باہر اور ہماری اور اس کی حد سے ماوراء نہیں ہیں۔ ان کو علم و حکمت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اور علم و عقل کے معیار پر پرکھ کر قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔	لوگ کیوں قرآن پر تدبر نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں۔
قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ	کہہ دیجئے کہ میرا جو یہ راستہ ہے تو میں اس کے ذریعہ خدا تعالے کی طرف علی وجہ البصیرت بلاتا ہوں بصیرت کی روشنی میں دعوت میرا کام ہے۔ اور یہی کام میرے پیروکار کا ہے

الْمُشْرِكِيْنَ ۝	بھی ہے۔ خُدا تعالیٰ ہر قسم کے عیب سے
۱۲/۶	پاک ہے۔ اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

ان آیات کی تشریح دوسری جگہ کر دی گئی ہے۔

اور وہ باتیں جو ہمارے علم سے باہر یا ہمارے ادراک کی حد سے ماوراء ہیں، ان کے متعلق قرآن حکیم ہم کو ایمان بالغیب لانے کی دعوت دیتا ہے، فلسفہ اور سائنس نے بھی اس نظریہ کو تسلیم کر لیا ہے کہ علوم اور امور یقیناً ایسے بھی ہیں جو ہماری عقل و فکر اور تحقیقات سے وراء ہیں۔ جو ہمارے علم اور ادراک سے پرے ہیں۔ جہاں ہماری عقل کی رسائی نہیں ہوتی۔ اور جن کا علم خدا ہی کے بتلانے سے ہو سکتا ہے۔ قرآن نے کہا:۔

وَ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ	یعنی یقین لانے والوں کے لئے زمین میں
لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَ فِيْ اَنْفُسِكُمْ	بہت نشانیاں موجود ہیں، اور خود تمہارے
اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ (ذاریات ع۱)	اندر بھی موجود ہیں۔ پھر تم کو دکھلائی نہیں دیتا؟

حدیث میں ہے:۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ	یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تحقیق
عَرَفَ رَبَّهٗ ۔	اس نے اپنے رب کو پا لیا۔

غرض کہ جو بات بھی قرآن منواتا ہے۔ علم و عقل سے منواتا ہے

یہ کتاب خدا اور خالق کائنات کی کتاب ہے۔ جب جانتے ہیں کہ قرآن کریم ہیں براہِ راست کلام الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس کے ہر فقرہ اور ہر آیت کی بنیاد انسانی عقل کے ناقص معلومات اور ادھورے تجربات مشتبہ مشاہدات پر نہیں۔ بلکہ عالم الغیب والشہادۃ کے اس محیط اور حاوی علم پر قائم ہے جس کے احاطہ سے نہ کوئی چیز خارج ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ تو اعتقاد و یقین کے لئے اس سے زیادہ محکم اور زیادہ استوار اساس کا کیا کوئی تصور بھی ہو سکتا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ (پ ۳۰ ع ۶) یہ قرآن تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔ اگر تم چاہو تو سیدھی راہ پر آ سکتے ہو۔

تشریح:۔ یعنی قرآن کریم کوئی قومی اور نسلی کتاب نہیں ہے، اور نہ اس کا جغرافیائی حدود سے کوئی تعلق ہے۔ وہ تو ہر زمانہ کے لئے اور ہر مقام کے لئے ہے۔ اور تمام بنی نوع انسان اس کے مخاطب ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ یہ قرآن تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نسلی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ وہ اصول و عقائد اور نظریات کا مذہب ہے۔ اور اس کا خطاب تمام انسانوں سے ہے مگر اسلام یا قرآن نے کسی پہ جبر نہیں کیا۔ بلکہ ہر انسان کے اختیار تمیز کی

پر چھوڑ دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو قرآن کریم کی نصیحت کو قبول کرے،
نہ چاہے تو نہ کرے۔ جو قبول کرے گا وہ نجات پائیگا اور رد کرے گا وہ
اس کا خمیازہ بھگتے گا۔ یہ ہر حال اس دُنیا میں اس کے لئے کوئی سزا نہیں
اور نہ یہاں اس پر کسی قسم کا جبر کیا جا سکتا ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَمَا۔ یہ قرآن تو قولِ فیصل ہے اور وہ کسی
هُوَ بِالْهَزْلِ۔ (پ۳۰ ع۱۱) اعتبار سے بھی ہزل اور بے سود نہیں ہے۔

تشریح:۔ قرآن نے جو کچھ کہا ہے اس کی تکذیب زمانہ کے
کسی دور میں نہیں ہو سکے گی۔ یہ صحیح ہے کہ انسان ذہنی، اخلاقی، سماجی
اور معاشی اعتبار سے برابر ترقی کرتا رہے گا۔ مگر قرآن کریم نے ہر بات
ایسے رنگ میں فرمائی ہے جو ہر دور میں آگے ہی آگے معلوم دیتی ہے
آخر ترقی اور بیداری نے یہ محسوس کر دیا کہ عورتوں کو طلاق اور وراثت کا
حق ملنا چاہیئے۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس چودہ سو سال کی کتاب
نے کیا ہدایت کی ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ جو کچھ اس نے کہا زمانہ
کی ترقی اس سے زیادہ نہ کہہ سکی۔ حتیٰ کہ آج سائنس کے دور میں
کوئی نہیں بتا سکتا کہ قرآن کی فلاں بات واقعات کے خلاف ہے اور
عملی سائنس اس کی تردید کرتی ہے۔

پس قرآن قول فیصل ہے، ہر زمانہ اور ہر مکان کے لئے ہے

اس میں کسی کو کوئی سبب شعور یا ضد نظر نہ آئے گی - اور اس کا کہنا کبھی جھوٹا نہیں ہوگا ''

بیرونی شہادتیں

اب ہم نے اس دعویٰ کو بیرونی دلائل سے بھی پرکھنا ہے قرآن حکیم میں تفہیم کے جو دلائل اور براہین پیش کئے گئے ہیں - وہ ہر ایک قوم اور ملک میں پائے جاتے ہیں - قرآن نے ان کو عربی زبان میں تعبیر کیا ہے - دوسری باقی زبانوں میں ان کی اپنی تعبیر سے وہی چیز دلیل و برہان بن رہی ہے -

اللہ نے انسان کو عقل بخشی اور اس لئے بخشی کہ اس سے کام لیا جائے - جانور سے جتنا کام لینا ہے اتنی ہی سمجھ اور قوت اس کو بخش دی ، اور وہ اتنا ہی کام کیا کرتا ہے - اللہ تعالےٰ کا مقصد اس کی کتاب میں ہے ، اور اس لئے اس سے زیادہ اور کہاں اس کا پتہ چل سکتا ہے - سب سے بزرگ عقل اور حکمت والے نے جس نے عقل کو پیدا کیا - انسانی عقل و فطرت کے مطابق اپنی مقدس اور بے ریب کتاب میں مقصد وحیات حاصل حیات انسانی کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے - یہ ان کتابوں سے آخری کتاب ہے جو انسانوں کو فطریات کو صراط مستقیم اور دین حق کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے نازل ہو کر آ رہی ہیں -

اب اس سے زیادہ انسان کی کیا بدبختی ہوگی کہ خدا کی زمین میں عمر گذارے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جو اسی کے لئے بھیجی گئی ہے کبھی سمجھنے کے لئے نہ مطالعہ کرے اور نہ جانے کہ اس کا خالق اور اس کا ربّ اس سے کیا کہنا چاہتا ہے اور کس چیز کا مطالبہ کرتا ہے۔

نظریہ ارتقائی نے جہاں تک ترقی کی ہے کہ ہر مسئلہ کی تشریح اور تاریخ اس کی تدریجی ترقی کی منزلیں گنائی پڑتی ہیں ۔ مگر نبوت اور ہدایت ربانی کا وجود ایک خاص حیثیت سے اس سے مستثنیٰ ہے ۔

عقیدۂ خدا تعالیٰ اور دیگر عقائد اسلامیہ، باہمی معاملات اور اخلاق کی اچھائی اور برائی کی فطری تعلیم پر عہد محمدی میں اس نے تکمیل کی آخری منزل طے کرلی ۔ ف ۔ ضروری ہے کہ قرآن حکیم پورے کا پورا اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہو، اور محفوظ بھی ہو کیونکہ تب ہی اس میں ہر زمانہ کے مطابق ہدایات ملنے کا یقین ہو سکتا ہے۔ ایسی کتاب خدا ہی کی کتاب ہو سکتی ہے جو انسانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کو جاننے والا ہے ۔ اور انقلابات اور ارتقاآت زمانہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ پس پورا قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہونا چاہئے اس میں باہر سے غیر خدا کا ایک لفظ اور ایک شوشہ بھی نہ ہونا چاہیئے ۔

رفع غلط فہمی

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام خطاب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ہو۔ خطاب میں ایک مصدر ہوتا ہے اور منتہی، مصدر یا تو اللہ تعالے ہوں گے،
یا جبرئیلؑ یا رسولؐ یا لوگ اسی طرح منتہی کو قیاس کر لیا جائے پس اس
میں بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں۔ بہر حال کلام ہر جگہ خدا تعالے کی طرف
سے ہوگا اور خطاب مختلف پہلو لئے ہوئے ہوگا۔ یہ مسئلہ بحث طلب ہے۔
اس کو ہم نے اپنے مجموعہ (پیغام قرآن، ساری دنیا کے نام) میں مسودہ کے
صفحہ ۵ پر بیان کیا ہے یہاں گنجائش نہیں"۔ قرآن نے کہا:۔

هٰذَا كِتٰبُنَا ... تَعْمَلُوْنَ } یہ کتاب ہماری ہے جو تم پر حق کا اظہار کرتی ہے۔ تم جو کچھ کرتے ہو وہ ہمارے ہاں لکھ لیا جاتا ہے۔

تشریح:۔ قرآن حق ہے۔ حق کے ساتھ آیا ہے۔ اور حق ہی کا اظہار
کرتا ہے۔ اس لئے جس حق کا اظہار کیا۔ آج اسے زمانہ ناحق نہ ٹھہرا سکا۔
سائنس نے عروج پایا۔ نفسیات نے ترقی کی، اخلاق کے نظریات پر
بحثیں ہوئیں، معاشرت اور معیشت کے اصول بنے۔ مگر قرآن نے جو کچھ
کہہ دیا تھا وہ اپنی جگہ قائم رہا اور کوئی علم اس کے فیصلوں کو ناحق ثابت
نہ کر سکا، یہ حق ہی کی نشانی ہے کہ قرآن کریم کا تصادم آج تک کسی علمی
حقیقت سے نہ ہو سکا۔ اور اس کی اصلاحات کو ان لوگوں نے قبول کیا
جو اس کے نام سے بھی بھاگتے تھے۔

غیر مسلموں کے تاثرات

ایک مغربی مفکر کا قول ہے کہ قرآن کے وحی الہٰی اور الہام آسمانی ہونے کے متعلق بہت سے اشکالات اور پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اہل تحقیق و بحث نے اس دشوار گذار مرحلہ کو عبور کرنے کے لئے کوئی ایسا راستہ نہیں تراشا جو سہل اور پسندیدہ ہو۔ عقل حیران ہے کہ یہ آیات کس طرح ایک (امی) انسان سے صادر ہو سکتی ہیں۔ عام اہل شرق کا اس پر اتفاق ہے کہ فکر بنی نوع انسان ان آیات کی ایک مثال بھی خواہ وہ لفظی ہو یا معنوی پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ ہے، وہ آیات جن کو عتبہ بن ربیعہ نے سنا اور ان کی بلیغ و بلند عبارات عمر بن خطاب رضی کو متاثر کرنے کے لئے کافی تھیں، چنانچہ وہ قاری آیات کے پروردگار پر ایمان لے آئے۔ جس وقت جعفر بن ابی طالب نے آل عمران اور اس کی وہ آیات تلاوت کیں جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت سے متعلق ہیں، تو نجاشی حبشہ کی آنکھوں سے سیل اشک جاری ہوگیا۔ لیکن ہم اہل مغرب قرآن کے معنی و مفہوم کو جس طرح سے سمجھنا چاہیئے تھا۔ ویسے نہیں سمجھ سکے کیونکہ قرآن ہمارے افکار و رجحانات کے مخالف ہے، اور ہماری قوموں کی تربیت و تعلیم سے تباین اور اختلاف رکھتا ہے لیکن یہ منافرت و تناقض اس کا موجب نہ ہونا چاہیئے کہ ہم قرآن عزیز کی اس تاثیر کے منکر ہو جائیں جو عربوں کی عقلوں

اور اذہان پر بجلیاں بن کر دوڑی"۔ بولا تقفیلیر۔ کہتا ہے کہ
مشکل ہی سے انسان باور کر سکتا ہے کہ انسانی فصاحت کی قوت اس درجہ اثر کرے گی بالخصوص جبکہ وہ ہلبند و بالاتر، بلا کسی ضعف کے صادر اور بے پناہ بلندی و اعجاز کے ساتھ موجود ہے۔ اس لئے کہ کرۂ ارض پر بسنے والے انسان اور آسمان کی پہنائیوں میں رہنے والے فرشتے اس قسم کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو اپنی صدق رسالت پر دلیل ٹھہرایا۔ قرآن آج تک ایک ایسا راز سربستہ ہے جس کی طلسمات کی نقاب کشائی ممکن نہیں ہے۔ درحقیقت یہ راز مستور صرف اسی شخص کے قلب پر آشکارا ہو سکتا ہے جو اس امر کی تصدیق کرتا ہو کہ یہ خدا کی طرف سے اُتاری ہوئی کتاب ہے۔

ایک اور عیسائی کا اعتراف

یہی وجہ ہے کہ پوپ واداشتی کی کتاب، تمہید لیا لقرآن میں جو قرآن کی رو میں لکھی ہے ہم یہ الفاظ پڑھتے ہیں۔

قارئین کے ذہن سے یہ حقیقت اوجھل نہ ہونی چاہیئے کہ یہ سرکش یا الم انگیز گمدہ یا جو بھی نام چاہو اس کا رکھو۔ اس نے عیسائیت میں (جو ظاہری کھلم کھلا روشن اور مصدقہ امور تھے) ان تمام کو پیش نظر رکھا۔ اور ان پر ایسے

اصلاحات کے لئے جو نظامِ عالم کے مطابق اور دینوی نشو و ارتقاء کے قانون کے مطابق تھے۔ اس دین کی نگاہوں سے انجیل کے وہ متنے دور ہو گئے جو ابتدائً ہماری منظر میں غلط ہیں، ان کا عقل ادراک نہیں کرتی۔ اس طرح قوانینِ اسلام بنی نوعِ انسان کی تنگیٔ حیات کے ان تمام اسباب و دواعی سے عاری ہے جو کتاب انجیل میں پائے جاتے ہیں، اس طرح اس نے دو دشوار گذار گھاٹیوں کو جن کو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ انسان اور دینِ حق کی راہ میں حائل ہیں، ہموار کر دیا۔ یہ دونوں دشوار گذار مقامات، مقامِ روح اور مرحلہ بدن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بت پرست قومیں موجودہ دور میں اپنے دین سے دستبردار ہو جانا چاہتی ہیں۔ اور اس کی بجائے دینِ اسلام کو قبول کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ نہ کہ مذہب عیسائیت کو!!

یورپ کے ماہر مصنف کھلے طور پر اس کا اعتراف کرتے جا رہے ہیں کہ قرآن سے زیادہ فطرتوں کو پرکشش طریق پر ابھارنے اور ان کے خلقی جذبات کو صحیح فطرت پر اپیل کرنے والی کوئی کتاب نہیں۔ فون ہیرلن ہارڈی مشہور مصنف برنارڈ شا مشہور انگلستانی فلاسفر گسٹاڈ لی بان مشہور فرانسیسی مؤرخ اور دوسرے علم دوست فلاسفر اپنی تصانیف میں۔ اس اعتراف پر مجبور ہوئے کہ قرآن کی تعلیمات لوگوں کی گہرائیوں میں چاروناچار سرایت کرتی جا رہی ہیں اور اپنے آپ کو منوانے میں کسی دوسری قوت و امداد کی محتاج نہیں ہیں۔ انہی صدیوں

تاریخی تاثرات نے بالآخر عام اقوام کی ذہنیتوں میں اسلام کی طرف میلان ورجحان پیدا کر دیا۔ اور اب کتنی ہی ایشیائی اور یورپین اقوام قومی حیثیت سے اس کی طرف کھینچتی چلی آرہی ہیں۔

(۱) ڈاکٹر موریس (فرانسیسی مشہور مصنف لکھتا ہے۔ قرآن دینی تعلیم کی خوبیوں کے لحاظ سے تمام دنیا کی مذہبی کتابوں سے افضل ہے۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلیہ عنایت نے جو کتابیں دیں۔ ان سب میں قرآن بہترین کتاب ہے۔ قرآن نے دنیا پر وہ اثر ڈالا جس سے بہتر ممکن نہ تھا۔ تنقید الکلام مصنفہ سید امیر علی۔

(۲) ہیرالیسٹ (لندن) کا مشہور اخبار لکھتا ہے:۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ارشاد کی قدر و قیمت اور عظمت و فضیلت کو اگر ہم تسلیم نہ کریں تو فی الحقیقت ہم عقل و دانش سے بیگانہ ہیں۔

(۳) ڈاکٹر کمیسٹن آئزک ٹیلر (انگلستان کے صدر نشین کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تہذیب و تمدن کا علم بردار ہے۔

(۴) جارج سیل (مشہور مترجم قرآن) کہتا ہے۔
قرآن جیسی معجز کتاب انسانی قلم نہیں لکھ سکتا۔ یہ مستقل معجزہ ہے جو مردوں کو زندہ کرنے کے معجزہ سے بلند تر ہے۔

خطبۂ صدارت مسلم ایجوکیشنل کانفرنس
شعبۂ مدراس علیگڈھ

سلیۂ علم و فن ان سے نصرانیوں نے ۔ کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے ۔ کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا (ماخوذ)

قرآن حکیم غیر مسلموں کی نظر میں

اگر یہ کتاب شائع نہ ہوتی تو انسانی اخلاق تباہ ہو جاتے اور دنیا کے باشندے برائے نام انسان رہ جاتے آہ - (مسٹر ہاسٹیل پول)

اگر صرف یہ کتاب دنیا کے سامنے ہوتی اور کوئی ریفارمر پیدا نہ ہوتا تو یہ عالم انسانی کی رہنمائی کے لئے کافی تھی - یہ کتاب ایسے وقت میں دنیا کے سامنے پیش کی گئی تھی جب کہ ہر طرف آتش فساد کے شرارے بلند تھے - خوں خواری و ڈاکہ زنی کی تحریک جاری تھی اور فحش باتوں سے بالکل پرہیز نہ کیا جاتا تھا - اور اس کتاب نے ان گمراہیوں کا خاتمہ کیا تو ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی - کاؤنٹ ٹالسٹائی روسی -

قرآن نے اپنی تعلیمات سے امن و سکون اور محبت کے جذبات پیدا کیے - بے حیائی کی ظلمتیں کافور ہو گئیں آہ اس کتاب نے دنیا کی کایا پلٹ

دی، اس نے جاہلوں کو عالم۔ ظالموں کو رحم دل ، اور عیش پرستوں کو پرہیزگار بنا دیا۔ یہی وہ کتاب ہے جو آج ۴۰ کروڑ آدمیوں کے دلوں پر حکومت کرتی اور وہ اس کی تعلیم کے لئے وقف ہیں۔ مسٹر طامس کارلائل "

زمین پر کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں نیکیوں کا رواج ہو۔ اور کوئی جماعت ایسی نہ تھی۔ جو سیدھے راستہ پر چلتی ہو۔ قرآن نے عالم انسانیت کو زبردست اصلاح کی، اور وحشیوں کو انسان کامل بنا دیا، جن اشخاص نے اس کے مضامین پر غور کیا ہے وہ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں۔ کہ وہ ایک مکمل قانون ہدایت ہے، انسانی زندگی کی کوئی سی شاخ لے لیجئے ناممکن ہے کہ اس شعبہ میں اس کی تعلیم رہنمائی نہ کرتی ہو۔ میرا یہ خیال ہے کہ اگر اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ایک سمجھدار آدمی بہ یک وقت دنیاوی اور روحانی ترقی حاصل کر سکتا ہے۔

(پروفیسر ہربرٹ وائل ۔)

اور کیا اس کو پڑھنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی تعلیمات فطرت انسانی کے مطابق نہیں ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جن اشخاص نے قرآن پر عمل کیا وہ روحانی اعتبار سے بھی کامیاب تھے اور دنیاوی حیثیت سے بھی جو اس کی ہدایتوں کو پیش نظر رکھتے تھے۔ وہ حیرت انگیز تدبر کے مالک تھے۔ ان کے دماغی اوصاف غیر معمولی اور ان کی قوت متخیلہ اعلیٰ درجہ کی تھی۔ وہ اپنے نفس پر بے انتہا حکومت کرتے تھے۔ اور امیر و غریب سب کے ساتھ

یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ ہم انصاف کی روشنی میں یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ قرآن سے بہتر کوئی دستور العمل انسان کو عملاً نیکی کی طرف راغب کرنے اور برائیوں سے بچانے کے لئے رہنما نہیں ہو سکتا۔ (مسٹر جان ڈیون پارٹ ۔)

یورپ جسے آج اپنی ترقی پر ناز ہے وہ بھی نہایت ذلیل حالت میں تھا۔ اس کے ہر گوشہ میں جہالت کی حکمرانی تھی اور اخلاقی قوانین درہم برہم ہو گئے تھے۔ اور وہاں نسل انسانی کا کوئی شرف باقی نہیں رہا تھا۔ ان حالات میں ہدایت کا سورج چمکا حضرت محمد صاحب (صلعم) نے قرآن کو دنیا کے سامنے کیا۔ اس کی عام فہم تعلیمات نے دنیا کی کایا پلٹ دی، اور انصاف اور تہذیب کی روشنی پھیل گئی۔ مسٹر گبن آہ ۔

نوٹ :۔ یہ غیر مسلموں کی تحریرات سے صرف اقتباسات پیش کئے ہیں۔ ان حضرات کے مفصل بیانات رسالہ بافو دھلی صفحہ ۳۰۹ تا ۳۱۱ میں درج ہیں دیکھ لیا جائے۔

قرآن حکیم کے خارجی ثمرات

مولانا سلیمان منصور پوری رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

قرآن حکیم کی تعلیم الہی زبردست صداقت لئے ہوئے ہے کہ جن قوموں

اور نہ ہوں نے اسے علی الاعلان نہیں مانا انھوں نے بھی اپنی کتابوں میں جو سینکڑوں سال اس سے پہلے کی ہیں یا سینکڑوں سال بعد کی ہیں۔ اس تعلیم کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ صدق اللہ تعالیٰ - لایاتہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ - میرے فقرے کا مطلب آپ پر واضح ہو جائے گا۔ جب آپ، یہودیت، عیسائیت، موبدیت، بدھمت اور ہندومت کے سناتن یا آریہ دھرم کے حالات قبل از نزول قرآن مجید کو پڑھیں گے، اور پھر بعد از نزولِ قرآنِ پاک آپ ان مذاہب کی ترقیات تازمانہ حال پر غور کریں گے۔ اور ان ترقیات کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھتے جائیں گے کہ اس ملک میں انقلاب سے پیشتر قرآنی تعلیم کا رواج ہو چکا تھا یا نہیں، اب خواہ کوئی قرآن کریم کے فیوض کو مانے، جب کہ مشہور بانیان برہمو سماج کا حال ہے۔ یا جیسا کہ رومن کیتھولک نے لوتھر کو الزام دیتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اس کے مسائل قرآن سے مستخرج ہیں۔ خواہ کوئی نہ مانے جیسا کہ بہت سے فرقوں کا حال ہے۔ مگر عملاً انہوں نے قرآن کی تعلیم کو لے لیا ہے یا لے رہے ہیں۔ اور ہر ایک ترقی کنندہ قوم علی الرغم مجبور ہے کہ اس کی تعلیم کو لیتی ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے۔ قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے۔ جو اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ الآیات کی شہادت دلبشارت سناتی

ہے۔ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ الخ میں اس پر زبردست شہادت ہے اخذ"

قرآن مجید جیسا کہ اپنے نظریات میں بے نظیر ہے۔ ایسا ہی عملیات میں بھی بے مثل ہے اس کی مثل نہیں پائی جاتی۔ کسی کتاب کا اعلےٰ اور عمدہ ہونا صرف اس اعتبار سے نہیں دیکھا جاتا کہ یہ کتاب نظری نکھری حیثیت سے بلند اور بے مثل ہیں، بلکہ اس کتاب کا عملی نتیجہ سے دیکھا جانا بھی ضروری ہے۔ یعنی اس اعتبار سے کہ وہ کتاب خارج میں معاشرہ پر کیا اثر ڈالتی ہے، اور اس پر عمل کرنے سے کیسے نتائج مرتب ہوتے ہیں، اور کس قسم کی سوسائٹی پیدا کرلی ہے۔

قرآن حکیم کو جب اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ کتاب اپنے عملی نتائج کے اعتبار سے بھی بے نظیر ثابت ہوتی ہے۔ اس وقت ظاہر پسند لوگ اشتراکیت کی بڑے مبالغہ سے توصیف کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک غیر فطری ہے اور نامکمل ہے، اس تحریک نے انسان کو محض معاشی حیوان سمجھ رکھا ہے، اس لئے اس تحریک نے انسان کی خارجی زندگی تنظیم کا کام غیر فطرتی کیا ہے لیکن انسان کی معنوی زندگی بھی ہے۔ اسلام اور اشتراکیت میں بڑا فرق ہے۔ اشتراکیت صرف معاشی (حیوانی) زندگی پر انحصار رکھتی ہے۔ اسلام معاشی (انسانی) زندگی کا انکار تو نہیں کرتا۔ مگر وہ زندگی کو

محض معاشی دائرہ میں محدود بھی نہیں مانتا، اس کے نزدیک زندگی دوامِ چاہتی ہے۔ اور وہ اس دنیا میں ہی ختم نہیں ہو جاتی، جیسا کہ اس بات کو دوسری جگہ مفصل بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال جیسی سوسائٹی قرآن نے پیدا کی اس سے بہتر کوئی کتاب قرآن کے علاوہ پیدا نہ کر سکی۔ اس سے قرآنِ عزیز کی صحیح عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے، کہ عرب جب قرآنی تعلیم سے تربیت یافتہ ہو کر دنیا کو فتح اور تسخیر کرنے کے لئے نکلے تو ایک بین الاقوامی تحریک کے سپاہی اور مبلغ بن کر نکلے۔ اور انسانیت کی مزید خوش نصیبی یہ تھی کہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں ان عربوں کی نیابت تھی وہ بین الاقوامی روایات کے اور ایک طرزِ انسانی فکر کے تربیت یافتہ تھے۔ یہ اسلام کی انسانیت پرور اور بین الاقوامی تعلیم کا ہی فیض تھا کہ عرب کی بادِ صرصر۔ دنیا کے لئے بادِ بہاری بن گئی۔ ان لوگوں کے اخلاق بمقابل اور کل اقوام کے بہت اعلیٰ درجے کے تھے۔ ان کا انصاف، ان کا اعتدال، ان کی نیکی اور مقبوضہ اقوام کے ساتھ رواداری، ان کے عہد و پیمان کی استواری، ان کا سپاہیانہ برتاؤ، یہ کل خصائلِ انسانیت ان میں حیرت انگیز تھیں۔

تواریخ و واقعاتِ عالم شاہد ہیں کہ جن اقوام نے قانونِ اسلام قبول کیا ان پر قرآنی احکام کا بے انتہا اثر پڑا۔ کسی مذہب نے قلوب پر ایسی

حکومت نہیں کی جیسی اسلام نے کی ہے مسلمانوں کے خفیف سے خفیف عادات و افعال پر اس کا اثر موجود ہے۔

اگرچہ مسلمانوں کی اسلامی حکومت اب تاریخوں ہی میں رہ گئی ہے لیکن وہ مذہب جس نے ایسی حکومت کی بنا ڈالی اب بھی پھیل رہا ہے۔ اس لئے کہ اسلامی قانون میں ایک لچک ہے جس کی روشنی میں ہر ایک قوم ایسے قانون بنا سکتی ہے جو وہی مقصد پورا کرے جس کی دعوت اسلام عربی زبان میں دیتا ہے۔"

یہ قوم اگر چاہے تو اس قانون کو اپنی قومی زبان میں، اور قومی رسم و رواج میں منتقل کر کے اسے ہر خاص و عام کے ذہن اور اس کی زندگی کے قریب کر سکتی ہے،

بیشک اسلام تو وطن اور ملک کی حدود سے بالاتر ہے لیکن ایک قوم اپنے قومی وجود کو برقرار رکھتی ہوئی اسلام کو اپنا سکتی ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ آج تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے۔

اتمام نعمت کا یہ دعوے نہ توریت میں ہے، نہ انجیل میں، نہ زبور میں، نہ دوسرے صحف انبیاء علیہم السلام میں۔ قرآن اور صرف قرآن ہی اس دعوے کو پیش کرتا ہے، اور اسے اس امر کا حق بھی پہنچتا ہے، اس کی تعلیم زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ہے۔ اس کی سچائیاں ازلی اور ابدی ہیں،

وہ اپنے یوم نزول سے برابر محفوظ ہے کتاب کی شکل میں بھی، اور حفاظ کے سینوں میں بھی۔ اس کی زبان زندہ ہے۔ اس کے بولنے سمجھنے والے ہزاروں کی تعداد میں نہیں۔ لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں اب بھی صفحہ ہستی پہ موجود ہیں۔"

تمام گذشتہ الہامات کے مقابلہ میں اس کا نقطہ نقطہ بلکہ حرف حرف محفوظ رہنا، دنیا بھر کی الہامی زبانوں کے مقابلہ میں اس کی زبان کا زندہ رہنا بلا وجہ نہیں ہو سکتا، یہ دونوں خاصے معمولی خاصے نہیں۔ قریبًا ڈیڑھ ہزار سال سے بلا شک و شبہ قائم چلے آ رہے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک دائمی ہدایت ہے، اور دنیا کے ختم تک برقرار رہے گی۔ ایک دائمی کتاب لانے والا پیغمبر بھی دائمی ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ قرآن حکیم ہی عالمی کا عالمی معجزہ ہے۔"

قرآن کے وجوہِ اعجاز کے متعلق حکماء و علماء نے اپنے اپنے غور و فکر، تدبر و تعقل سے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں جو ان کی تحریرات و تقریرات میں درج ہیں۔ جن کو ہم تنگیٔ داماں سے پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ تمام ایسے متضاد نہیں جو ایک جگہ یا ایک محل میں مجتمع نہ ہو سکیں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وجوہ اعجاز انہیں میں منحصر اور محدود ہوں۔ قرآن حکیم کے وجوہِ اعجاز کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لا تنقضی عجائبہٗ (ایک حد پہ ختم نہ ہونے)

کے درجہ پہ پہنچے ہوئے ہیں۔

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُکَ وَاحِدٌ — تیرے حسن واحد کے لئے ہماری تعبیریں بہت سی
وَکُلٌّ اِلٰی ذَاکَ الْجَمَالِ یُشِیْرُ — ہیں جو سب کی سب تیرے بے مثل حسن وجمال کی
طرف اشارہ کرتی ہیں "

قرآن حکیم پہلی کتب مقدسہ کی طرح زمانی اور مکانی کتاب آسمانی نہیں وہ دائمی اور سرمدی کتاب ہے، بلکہ خاتم الادیان مکمل دین کی اور قائد الانبیاء وخاتم الرسل پہ نازل کی گئی ، پہلی تمام کتابوں کی جامع اور ان کی مصدق کتاب مقدس ہے ۔ اس پہ تمام فرقِ اسلامیہ کا اتفاق اور اجماع ہے کہ قرآن مجید معجز ہے یہ اتفاق اور اجماع محض حسنِ عقیدت پر مبنی نہیں ۔ بلکہ واقع اور نفس الامر میں بھی قرآن ایسا ہی ہے" پورے چودہ سو برس گذر رہے کہ کوہ صفا کی چٹان پر کھڑے ہو کر ایک اُمّی نے دُنیا سے یہ غیر متزلزل تحدی کی کہ وہ اس کا جواب پیش کرے ۔ تو کیا یہ دلچسپ نہیں ہے کہ ان پورے چودہ صدیوں کا ایک ایک سال گذر گیا ، مگر ایک آواز بھی اس تحدی کو قبول کرنے کے لئے بلند نہ ہوئی ۔۔۔۔ اس صوتِ سرمدی کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں ۔۔۔۔۔۔ اور عرب جو عربی زبان کے اصل مالک اور محاورہ عرب کے طبعی ماہر تھے ۔ اس کے مقابلہ سے عاجز تھے ، تو اس زمانہ کے بعد کے لوگوں کے لئے تو یہ عجز اور درماندگی اور زیادہ نمایاں ہے ۔ بہرحال وجوہ اعجاز کی جو

متعدد صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ اپنی جگہ وہ بھی درست اور ٹھیک ہیں۔
لیکن ایک بات احقر کے دل میں آ رہی ہے۔ جو وہ بھی اعجاز
میں شمار ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ قرآن مجید عالمی اور سرمدی کتاب
ہے۔ آیت

قُلْ ان اجتمعت الانس والجن علیٰ	کہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں
ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لایاتون	ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور پڑے
بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظہیرا	مدد کیا کریں ایک دوسرے کی ؛

میں علی الاطلاق انس و جن سے مطالبہ کیا گیا ہے اور اس کو
کسی خاص انس و جن کے گروہ یا کسی خاص زبان و زمان کے ساتھ مقید
اور محدود نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس مطالبہ کے مخاطب ثقلین قرار دیئے
گئے ہیں۔ وہ خواہ کسی خطہ کے رہنے والے ہوں اور ان کی زبان کوئی
بھی ہو۔ پس قرآنِ حکیم کے لیئے ایک عمومی اور عالمگیر وجہ اعجاز کا
ہونا بھی ضروری ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا کے ہر قرن اور ہر دور کے
سنجیدہ، عقلمندوں، مدبروں کو چیلنج کیا جا سکے۔

میرے ناقص خیال میں (واللہ اعلم بالصواب) وہ وجہ کلی و جزئی نظام
عالم کے لئے اس کتاب کا دستور العمل زندگی ہونا ——— اور ہر زمانہ کے لئے
حق اور صداقت کا معیار ہونا ہے یعنی قرآن حکیم کے علاوہ اب ہمیشہ

کے لئے کوئی ایسی کتاب دستیاب نہیں ہو سکتی اور نہ مرتب ہو سکتی ہے جو عالمگیر حقائق اپنے اندر جمع کئے ہوئے اور فطرت ثقلین کی ترجمان ہو، اور اہمیت کے لئے معیارِ حق ہو اور ہر شعبۂ زندگی کے لئے دستور العمل ہو، — دوسرے لفظوں میں یہ کہ خالص عالمی حقیقتیں اور صداقتیں اپنی اصلی شکل و صورت میں کسی غلط ملاوٹ کے بغیر صرف قرآنِ حکیم ہی میں منحصر ہیں اور فطرت کی صحیح ترجمان یہی کتاب ہے اور ایسا کلی جزئی نظام جو امن و سلامتی کا موجب ہو یہی کتاب پیش کرتی ہے باتوں اور عملوں کے پرکھنے اور نظریات و مذاہب کے جانچنے کا تنقیدی معیار یہی کتاب قرار دی جا چکی ہے۔

آیت کریمہ میں "مثل" کا لفظ جو ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد اس کا مفہوم یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ جن باتوں کو قرآن حکیم نے بیان کیا ہے انہیں باتوں کو تم دوسری کتاب میں مرتب کر کے لا دکھاؤ؟ کیونکہ یہ تو قرآنی مطالب ہی کی دوسری ترکیب و ترتیب میں آنا یگی ہو گی (جو کہ تحصیل الحاصل کی موجب ہونے کے علاوہ ویسے بھی ایسی کتاب کا لانا ناممکن ہی کیوں نہ ہو) مگر بظاہر مطالبہ یہ نہیں ہے؟ بلکہ مطالبہ اس بات کا ہے کہ جو باتیں قرآن حکیم نے بیان کی ہیں وہی حقائق اصلیہ اور سچی باتیں ہیں پس اگر ہمت ہے تو تم یہ ثابت کر دکھاؤ کہ حقائق اور سچائیاں بمقابلہ قرآن تمہاری مرتب کردہ کتاب میں ہیں۔

سیدِ عالم محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

انبیاء و رسل کی ضرورت، اور محمد رسول اللہ کے نبیِ عالم اور خاتم الانبیا ہونے کے متعلق مشروح مجموعہ ہذا میں بقدر ضرورت لکھا جا چکا ہے" اب صرف آپ کی امتیازی شان اور بعض دیگر خصوصیات و حالاتِ مبارکہ کا بیان کرنا مقصود ہے"

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دُنیا کے لیئے رسول اللہ قرار دے کر بھیجا گیا ہے۔ آپ کو خطۂ عرب ارضِ حجاز۔ مقام مکہ میں (جو بمنزلہ مرکز عالم تھا اور وہ جگہ اقوام عالم کے لیئے مرکزی حیثیت میں تھی) اہلِ مکہ کے برگزیدہ خاندان قریش میں پیدا کیا گیا۔ اور عرب کا ملک اس وقت کے جغرافیائی حیثیت سے معمورۂ عالم کے لیئے مرکزی حیثیت میں تھا جس کے اندر اور ماحول میں مختلف مذاہب کے دکلار موجود تھے۔ پس اس عظیم الشان اور وسیع اصلاحی کام کے سرانجام دینے کے واسطے جن علوم و تدابیر کی ضرورت تھی، ان سب کو اللہ تعالےٰ نے خود محمد رسول اللہ کو تعلیم دی:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (قرآن کریم)	آپ کو اُن باتوں کو تعلیم دی جنکو آپ جانتے نہ تھے اور اللہ تعالےٰ کا فضل آپ پر عظیم الشان ہے"
وَاُوْتِيْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ (حدیث شریف)	مجھے تمام پہلے اور پچھلے لوگوں کے علوم دیئے گئے ہیں)
وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ○ (قرآن کریم)	کہو اے رب میرے علم کو اور زیادہ کر۔

یہ بہر حال بڑے اہتمام سے آپ کو اس کام عالم کے لئے تیار کیا گیا مبدا ۔ معاد ۔ علوم جہاں بانی و جہاں داری، اور علوم مغیبات میں سے بھی جو یا جس قدر چاہیئے تھے آپ کو عنایت کئے گئے ۔ لوگ خواہ مخواہ آپ کے عالم مغیبات ہونے پر لڑتے اور جھگڑتے ہیں، حالانکہ جس رسولؐ کو تمام دنیا والوں کے لئے ہمیشہ کے واسطے مبلّغ و رسول بنا کر مبعوث کیا جانا مقدر ہو چکا تھا، ضروری تھا کہ اس رسول کو ما کان و ما یکون کے علوم سے وافر حصہ دیا جائے، تاکہ وہ دنیا والوں کو پورے طور حالات دنیا و حالات آخرت سے با خبر کر سکے ۔ ہمارا ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تمام انبیاء کرام علیہم السّلام سے زیادہ عالم تھے اور آپ کے لئے ایسا ہونا ضروری تھا ۔ اور جو تدابیر اس سلسلہ میں اختیار کی گئیں وہ بھی سب اس حکمت کے تحت داخل ہیں ۔

پہلے انبیاء علیہم السّلام کی جانب سے آپ کے متعلق پیشین گوئیاں کر دی گئیں ۔ اور کتب آسمانی میں آپ کا ذکر کیا گیا اور غالباً واللہ اعلم معراج بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہو ۔ تاکہ جو باتیں اس سلسلہ کے متعلق دوسرے ذرائع سے بتانی مناسب نہ تھیں، بلا واسطہ بتلا دی جائیں لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۔ تاکہ ہم ان کو اپنے نشانات دکھائیں ۔ اور سیر معراج میں آتے جاتے اولوالعزم انبیاء کرام سے بھی آپ نے معلومات حاصل

گئے - اور جنّت و دوزخ کی بھی سیر کرائی گئی - بیت المقدس میں آپ کے تشریف لیجانے پر انبیاء کرام کا اجتماع ہوا - اور سب نے عملاً آپ کو اپنا امام اور پیشوا تسلیم کیا - آپ کا شق صدر کیا جانا "اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے" اور انشقاق قمر اس کی دلیل ہے کہ آپ آخری نبی ہیں، اور آپ کے تکمیلِ دین اور نبوّت کے بعد دنیا کے ہنگامہ کو ختم کیا جائے گا - آپ کا ارشاد ہے کہ :-

اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَاشَارَ بِاِصْبَعَيْهِ، اَوْكَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	فرمایا کہ میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح قریب قریب ہیں - اپنی دونوں انگلیوں سبابہ اور وسطیٰ کے ساتھ اشارہ کیا ۔

اور فرمایا

اَنَا الْعَاقِبُ ــــــــ	میں سب سے بعد آنے والا ہوں -

اور آپ پر جامع اور مکمل کتاب نازل کی گئی - ھُدًی لِّلنَّاسِ تمام لوگوں کے لیئے ہدایت ہے - اور آپ کو ایسے فرمانبردار اور جاں نثار اصحاب کی جماعت دی گئی جن کی نظیر دنیا پیش نہیں کر سکے گی !

آپ کے ادنیٰ خادموں کے قدموں پر عرب نثار ہوا - عجم ہوا - اور کسریٰ گرا - قیصر جھکا - اور جو نہیں ہوا وہ بھی ہوگا - حدیث شریف میں آیا ہے

لَايَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ لَا بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ الْاِسْلَامُ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَذُلِّ ذَلِيْلٍ	یعنے روئے زمین پر کوئی گھر یا کوئی خیمہ ایسا باقی نہیں رہیگا جس میں اسلام داخل ہو کر نہ رہے - جو عزت چاہیگا وہ عزیز ہو کر - جو ذلت چاہیگا ذلیل ہو کر

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ میں بتلا دیا گیا ہے۔ آپ کے ذکر کو بلند کرنیوالا اس نور کی روشنی کو پوری کر کے رہے گا۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ٥ ۔

یُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کی تفسیر و تفہیم دوسری جگہ بیان کر دی گئی ہے مقصود دنیا میں عالمگیر اصولوں پر حکومت عادلہ کی طرح ڈال کر دکھلانی تھی جو سب قوموں کو اپنے میں سمیٹ سکے۔ ان کا نمونہ حضرت عمر الفاروق رضی دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ نے قائم کر دکھایا۔

یہ مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی سیاسی قوتوں کا مرکز دو قوموں میں تقسیم ہو کر رہ گیا تھا۔ سارا مشرق کسریٰ ایران کے اور سارا مغرب قیصر روم کے زیر اثر تھا۔ یہی دونوں قوتیں باہم کشمکش کر رہی تھیں کہ ۔۔۔ اسلام ظاہر ہوا۔ اور خلافت فاروقی میں دونوں قوتیں ختم ہو گئیں ۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی قوت تمام عالم کی سب سے بڑی قوت ہو گئی ۔۔۔

حضرت عمر فاروق رضہ کا تذکرہ تو چلتی ہوئی بات میں جملہ معترضہ کے طور پر کیا گیا ہے۔ اصل مقصد تو نبی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا بیان کرنا ہے ۔۔۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قدرت نے جہاں اس ذات ستودہ صفات

کو بہت سے امتیازات بخشے ہیں، وہاں آپ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ تاریخ کے روشن زمانہ میں مبعوث ہوئے ایسے زمانہ میں جس کے واقعات اور حادثات آفتاب سے زیادہ روشن ہیں۔ اور جن کی تحقیق کے ذرائع آج بھی کثرت سے موجود ہیں، آپ پر خدا تعالےٰ کا سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ آپ کے انقلابی اور فکری کارناموں پر "دیو مالا"۔۔۔ مائتھالوجی ۔" کا رنگ نہیں چڑھ سکا ۔ اور واقعات نے آگے چل کر خوش فہمیوں اور داستانوں کی راہ اختیار نہیں کی ۔ اگر کوئی چاہے کہ آپؐ کی زندگی کے اصل حالات آج معلوم کرے تو وہ آسانی سے معلوم کر سکتا ہے! کیونکہ آپؐ کی زندگی ہی میں وہ اسباب مہیا ہو چکے تھے جو واقعات کو دوام اور استحکام عطا کرتے ہیں ۔ اور جو ملاوٹ کے امکانات سے پاک ہیں ۔ پھر آپؐ کو ایک ایسی، کتاب عطا کی گئی۔ جو ابتدا سے اس وقت تک زمانہ کی دستبرد سے محفوظ چلی آتی ہے۔ آج آپؐ کا۔ کھانا ۔ پینا، اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا ۔ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے واقعات بھی معلوم کر سکتے ہیں ۔ اور وہ بڑے بڑے واقعات، جنہیں آپ کے ساتھ انتساب کا فخر حاصل ہوا مستند تاریخوں میں اور ۔۔۔ خود "قرآن کریم" میں محفوظ ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مفکرین اور مورخین نے جس قدر آپ کی لائف پر توجہ دی، کسی اور ہیرو کی لائف پر نہیں دی ۔ اور

انگلستان کے متعصب مؤرخ "مارگولیوتھ" تک کو یہ لکھنا پڑا کہ "اسلام کے داعی کی زندگی آفتاب سے زیادہ روشن ہے"۔ اور ہم آج آپ کے متعلق وہ سب کچھ معلوم کر سکتے جو شاید کسی انسان کی زندگی میں بھی معلوم نہیں کئے جا سکتے۔ گویا آپ کی زندگی پہ واقعات کی کرنیں پڑ رہی ہیں، اور ہم آپ کا مبارک حلیہ سراپا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں"۔

حضور صلعم کی مختصر زندگی

آپ کی مختصر زندگی یہ ہے۔ آپ عرب کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والدین داغ مفارقت دے گئے۔ اور آپ کی پرورش چچا کے گھر ہوئی۔ جب بڑے ہوئے تو پوری زندگی کو صداقت، امانت، محبت، خدمت، اور رحم دلی، اور ہمدردی کا نمونہ بنایا۔ اور ان اخلاقی اوصاف میں ایسی پختگی پیدا کی کہ دشمنوں کو بھی باوجود اختلاف کے یہی کہنا پڑا کہ "ہم نے اس شخص کو جھوٹا اور یاوہ گو نہیں پایا"۔ اور اس کے امین ہونے پر کبھی شک نہیں گزرا"۔ چونکہ آپ ایک انقلابی اور فکری تحریک لے کر آئے تھے۔ اس لئے اس راہ میں آپ کو بڑی تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں کہ۔ اپنے محبوب وطن کو بھی خیر باد کہنا پڑا۔ لیکن آپ میں سچائی کی کشش تھی۔ اس لئے آپ کی دعوت کامیاب ہوئی۔ اور آپ کی زندگی ہی میں سارا "جزیرۃ العرب" اسلام کا حلقہ بگوش بن گیا۔ اس کامیابی پر "انسائیکلوپیڈیا

برٹانیکا" کے مضمون نگار کو بھی لفظ محمد کے ذیل میں لکھنا پڑا کہ —
پیغمبروں میں آپؐ کی زندگی کامیاب ترین زندگی کہی جاسکتی ہے، دُنیا کا
کوئی داعی اپنی زندگی میں اپنے مشن کو کامیاب نہ کر سکا، مگر اسلام کے
پیغمبر نے یہ سب سے زیادہ معجزہ کر دکھایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضورؐ کا انقلابی اور فکری پروگرام

آپؐ کا انقلابی اور فکری پروگرام کیا تھا؟ دُنیا کے لئے آپؐ کس
طرح رحمت و رافت ثابت ہوئے؟ اور وہ کیا پیغام ہے جس سے ساری
دنیا قیامت تک فائدہ اٹھاتی رہے گی؟ ان امور کے لئے دفتر چاہیئے
فی الجملہ آگے بیان بھی ہوگا۔ مختصر یہ کہ آپؐ نے —

(۱) آپؐ نے خدا تعالےٰ کی توحید کا اعلان کر کے پہلی بار اس پر
انسانی وحدت کی بنیاد رکھی اور انسانوں کو مخلوق کی غلامی سے نجات دلائی۔

(۲) آپؐ نے پہلی بار انسانوں کو انسانی مساوات اور عالمی بھائی چارہ کا
پیغام دیا۔ اور یہ اعلان فرمایا کہ — کسی شخص، یا کسی قوم کو۔ رنگ، نسل،
اور وطن کی بناء پر امتیاز حاصل نہیں ہے — اور تمام انسانوں کی اصل ایک ہے،

(۳) آپؐ نے یہ اعلان فرمایا کہ — خدا تعالےٰ نے ہر اُمت اور ہر قوم
کے لیے ہادی اور رہنما بھیجے۔ دُنیا کے تمام بانیانِ مذاہب کی عزت اور
توقیر قائم کی۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ان الزامات سے بچایا جو ان کے

پیروان کی ہی قوموں کی طرف سے لگائے گئے تھے۔

گویا آپ کے مشن کی جان تصدیق ہے، تکذیب نہیں ہے، اور یہ امن اور راستی کی وہ راہ ہے۔ جو صرف آپ ہی کے صدقہ میں نوعِ انسانی پر کھلی۔

(۴) آپ نے ضمیر اور عقیدہ کی آزادی کا اعلان کیا۔ اور تمام مذاہب کو آزادی عطا فرمائی۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ دین کے بارے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں ہے، آج مذہبی آزادی کا صور۔ پھونکنے والے اس سے آگے ایک قدم نہ بڑھا سکے، اور انھوں نے وہی کہا جو پیشوائے اعظم نے چودہ سو سال پہلے فرمایا تھا۔

(۵) آپ نے بلا وجہ قتلِ انسانی کو سنگین جرم قرار دیا۔ اور ایک انسان کے قتل کو تمام نوعِ انسانی کا قتل ٹھہرایا اور فرمایا کہ جو شخص ایک انسان کو قتل سے بچاتا ہے، وہ ایک کو نہیں؟ ساری دنیا کے انسانوں کو زندہ کرتا ہے۔ قرآن کریم نے اس موقع پر مسلمانوں کا نہیں بلکہ نفس کا استعمال کیا ہے۔ یعنی کوئی نفس ہو اس کا قتل خدا تعالیٰ کی نظر میں سخت ترین جرم ہے،

(۶) آپ نے غیر مذہب والوں کے ساتھ تالیفِ یا رواداری کی تعلیم دی اور فرمایا کہ۔ جو لوگ مسلمانوں کو وطن سے بے وطن نہیں کرتے۔ انہیں

جنگ کی دعوت نہیں دیتے، وہ رعایت اور حسنِ سلوک کے مستحق ہیں۔ قرآن کریم نے اس حقیقت پر وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ۔ کہہ کر شہادت دی ہے۔

(اور ان کے ساتھ انصاف سے معاملہ کرو)

(۷) مسلمانوں کے علاوہ، غیر مسلم منصف مزاج غیر متعصب حضرات نے جس قدر آپ کی تعریف و توصیف کی ہے اور سوانح لکھے ہیں۔ دنیا میں سے کسی بھی بڑے آدمی کو اس سلسلہ میں آپ جیسا مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔

ہم کہاں اور وہ ذاتِ اقدس کہاں جو دنیا کے لئے محسنِ اعظم ثابت ہوئی۔

۸ ہمارے شیخ استاذ العلماء سید محمد انور قدس سرہ اپنے رسالہ حدوث العالم کی ابتداء اس طرح فرماتے ہیں۔

(۱) تَعَالَى الَّذِيْ كَانَ وَلَمْ يَكُ مَا سِوَى
وَاَوَّلُ مَا جَلَّى الْعَمَاءَ بِمُصْطَفٰى

(۱) بلند ہے وہ ذات جو اپنی شان میں تمام مخلوقات سے پہلے تھی اور اس کے ماسوی کچھ نہ تھا اور جس نے پہلے پہل عماء (اونچے بادل) کو نبی عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ظاہر کیا۔

مُسَبِّبُ اَسْبَابٍ وَمَالِكُ مُلْكِهٖ
(۲) فَمِنْ اٰخِذٍ مَهْوًى وَمِنْ اٰخِذٍ هُدًى

(۲) یہی ذات اسباب کی زنجیر کو لٹکانے والی ہے اور تمام کائنات کی واحد مالک ہے۔ پس زنجیر کے کڑے نے والے سے گر بھی جاتے اور ہدایت یاب بھی رہتے ہیں۔

(۳) فَسُبْحَانَ مَنْ بُرْهَانُهٗ كُلُّ اٰيَةٍ
وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ مِنْهُ شَانٌ قَدِ اخْتَفٰى

(۳) پس ہر ایک نشان میں اس پاک ہستی کے لئے دلیل ہے اور بے شک اس کی ہر ایک شان میں اور شان پوشیدہ ہے۔

رسولِ اکرم کی سیرت کا مطالعہ کس لئے کیا جائے؟

نبی اور رسول کا تصور مختلف قوموں، زبانوں میں مختلف ہو گا۔ بہر حال۔ اشرف المخلوقات میں سے بھی اس اشرف ترین مخلوق کا تصور مسلمانوں میں یہ رہا ہے کہ

وہ انسان کا دل ہے۔ یہ کاملیت ظاہر ہے کہ صرف ۔ اچھے انسانی پہلوؤں کے متعلق ہے۔ انسانی زندگی کے دو ہی بڑے شعبے ہیں۔ ایک ۔ معاش۔ دوسرے معاد۔ دوسرے الفاظ میں ایک تو انسان کے تعلقات ۔ انسان اور دیگر مخلوقات کے ساتھ، اور دوسرے انسان کے تعلقات اپنے خالق و مالک جل شانہ کے ساتھ۔ پہلی قسم میں اعلےٰ ترین مرتبہ حکمرانی ہے تو آخرالذکر میں عمدہ عبادات کے متعلق رہنمائی یعنے پیغمبری۔"

رسولِ عربی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ یک وقت یہ دونوں کمالات حاصل تھے۔ اس جلد میں آپ کی صرف اوّل الذکر یعنے سیاسی زندگی کا مطالعہ پیشِ نظر ہے۔

لیکن ہر سنجیدہ طالب علم اور ذاتی غور و فکر کر کے ذمہ دارانہ اور مستقل رائے قائم کرنے کے خواہشمند سے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ رسولِ اسلام کی سیرت یعنے سوانح حیات و تعلیمات کا مطالعہ اب بھی کیوں کیا جائے جب کہ آپ کی وفات پر ساڑھے تیرہ صدیاں گذر چکی ہیں؟ علوم فنون میں بے انتہا ترقی ہو چکی ہے۔ متدین قوموں کے ماحول اور تصورِ حیات میں زمین و آسمان کا فرق ہو چکا ہے۔ اور آپ بھی ہمارے جیسے انسان تھے؟؟

اصولی حد تک تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ انسانی تمدن و ثقافت کی ترقی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ "ہر کہ آمد عمارت نو ساخت"

لیکن اس طرح نہیں کہ ادھیڑ بُن کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ (کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا بَعْدَ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا) جاری رکھا جائے۔ بلکہ اس طرح کہ تعمیر سابق پر تعمیر جدید کا اضافہ ہوتا رہے۔

البتہ یہ سوال ایک تفصیلی جواب چاہتا ہے کہ خاص محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (روحنا فداہ) کی سیرت کا کیوں مطالعہ کیا جائے اور اس غرض کے لئے کسی اور کا کیوں نہیں؟

مسلمانوں کا دعویٰ اپنے رسول و ہادی کے متعلق تو یہ ہوگا ہی کہ آپ ہی کی ذات والا صفات ہے جس نے ایسے زمانہ میں مبعوث ہو کر جب کہ دنیا جہالت و گمراہی کے انتہائی حدود پر پہنچ چکی تھی اس کو ایک مرتبہ پھر انسانیت صحیحہ کے سیدھے رستے پر کھڑا کر دیا۔ آج بھی جب کہ ہم مختلف وجوہ کی بنا پر ان ایام جاہلیت سے قریب تر ہو رہے ہیں، تو صرف اس شمع ہدایت سے انتساب ہی ہماری نجات کا حقیقی باعث ہو سکتا ہے۔

لیکن ذاتی عقیدہ سے قطع نظر ایک جویائے حق طالب علم اور ایک ناظر دانا لیکن مقصد و مورخ کو اس سوال کے جواب میں جو کہنا ہے۔ اس میں سے بعض باتیں صرف مسلمانوں سے متعلق ہیں۔ بعض باتیں دوسروں سے متعلق ہیں بعض باتیں دونوں سے مشترک طور پر متعلق ہیں۔

"مسلمانوں کے لئے" آپ کی سیرت جو اہمیت رکھتی ہے۔ وہ کسی

تفصیل کی محتاج نہیں اصولِ فقہ کی کتابوں میں اس کی مفصل بحثیں موجود ہیں۔

غیر مسلموں کے لئے

رسولِ عربی کی سیرت کا مطالعہ اس لئے ضروری ہے کہ جب ایک شخص ہم سے یہ بیان کرے کہ میں تمہارے فائدے کی کچھ بات کہنا چاہتا ہوں تو کون عقلِ سلیم رکھنے والا ایسا ہے جو اس بات کو سننے ہی سے انکار کر دے۔ آنحضرت نے اپنی زندگی میں جب پہلی مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ میں تمام عالموں کے لئے رحمت بن کر آیا ہوں، اور میرے لائے ہوئے دینِ اسلام کے بغیر دنیا اور آخرت کی بھلائی حقیقت میں حاصل نہیں ہو سکتی، تو اس پر اوچھی طبیعت رکھنے والوں نے تو ٹھٹول شروع کیا، اور مخالفت پر اتر آئے، سنجیدہ لوگوں نے اس کے برخلاف یہ پوچھا کہ دینِ اسلام کس کو کہتے ہیں، اور آپ کی رائے میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے، پھر جواب اور توضیح پر ٹھنڈے دل سے غور کیا، اور جس کی رائے میں بات معقول تھی اس نے اس دین کو قبول کر لیا۔

ہادیٔ عالم کے اقوال و افعال، اور آپ کا پیش کیا ہوا دین، اب تک محفوظ و موجود ہیں۔ اور محض آثارِ قدیمہ کی مٹی سے ہاتھی بنانے اور قیاس آرائی، و خوش عقیدگی کی ضرورت نہیں۔

اس کی کچھ تشریح بے محل نہ ہوگی۔ کہ دیگر ادیان و مذاہب کی مقدس

"الہامی کتابیں اپنی اصلی شکل میں باقی نہیں رہیں اس کا اعتراف صاحب ادیان خود کر چکے ہیں۔ جس کو دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے۔"

لیکن اب قرآن مجید کو دیکھئے، جیسے ہی کوئی آیت نازل ہوتی، ابتدائے نبوت ہی سے رسول اکرمؐ اس کو فوراً لکھوا دیتے رہے۔ اور کاتبوں کو یہ بھی ہدایت کرتے تھے کہ "فلاں آیت کا مقام تاحال نازل شدہ قرآن میں فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد ہے۔ اس کو ساتھ ساتھ بہت سے صحابہ زبانی بھی نماز کی ضرورتوں سے یاد کرتے جاتے تھے۔ اور یاد کی ہوئی چیزوں کو رسول اکرمؐ کو سنایا بھی کرتے تھے۔ لوگ تحریری نقلیں بھی لے لیا کرتے تھے، جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو چند ماہ بعد ہی خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عہد نبوی کے سرکاری کاتبین وحی کی ایک کمیٹی مقرر کی کہ پورا قرآن مجید ایک کتاب کی شکل میں لکھا جائے اور ہدایت کی کہ ہر ہر لفظ و آیت کو علاوہ حفظ کے دو دو تحریری ثبوتوں کے بعد درج کیا جائے۔ عہد نبوی کے آخر میں کامل قرآن کے کم سے کم چار پانچ حافظ تھے، جن میں ارکان مجلس تدوین بھی شامل تھے، اور متفرق سورے جن کو یاد تھے، ان کی تعداد ہزاروں تھی۔ اس احتیاط سے تدوین ہونے اور پھر آئندہ بھی حفاظ کا سلسلہ اب تک جاری رہنے سے قرآن مجید اس قدر صحت کے ساتھ اب تک محفوظ ہے کہ کسی [illegible]

مذہب کی الہامی کتاب اس کی گرد کو نہیں پہنچتی " غرض ہم ایک ایسی شخصیّت کا مطالعہ کر سکتے ہیں جس کے عام حالات بھی تفصیل سے محفوظ ہیں، اور جس کی تعلیم کی اساس یعنی اس پر نازل شدہ الہامی کتاب بھی ہو بہو، وبجنسہٖ محفوظ موجود ہے، اس کے مندرجات کے متعلق کوئی چھپا چھپات بھی نہیں کہ اجنبیوں کو پڑھنے بلکہ سننے سے بھی روکا جائے، بلکہ ایک صلائے عام ہے کہ ہر شخص، اس کو پڑھے، اور بطورِ خود اپنے لئے فیصلہ کرے کہ وہ اس کو قبول کر سکتا ہے یا نہیں، اور جو قبول نہ کر سکے تو اس کے لیے بھی صاف حکم ہیں کہ لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ہ دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں۔ اور اس کا اپنا چیلنج ہے کہ " آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری "

اس نے مرکز گریز اولادِ آدم و حوّا کو دوبارہ مرکز کشی کی تعلیم دی۔ اور ان میں فطری مساوات، اور اختیاری فضیلت (اعمالِ صالحہ کی بنا پر) قائم کی، اور جملہ سابقہ مذاہب کا احترام و اعتراف کرتے ہوئے ان کے مقابل اپنی حیثیت صرف یہ بیان کی کہ یہ ایک تجدیدِ صداقت اور بنیادی ولابد اقل قلیل ہدیٰ ہے

ہر کس کے لئے

چند بنیادی اصول و حقائق سے خود فیصلہ کر لینا ممکن ہے۔ اسلام کا اصل اصول یہ ہے کہ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (یعنے دنیا میں بھی اچھے رہیں اور آخرت میں بھی) دیکھنا یہ ہے کہ دنیوی معاملات

میں آنحضرتؐ کی سیرت اور طرزِ زندگی میں ہمارے لیے کیا سبق ہیں، دنیا میں ایک حیثیت سے بڑے لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف رسولِ عربیؐ کی زندگی پر نظر ڈالیے۔ اس کی ہمہ جہانی حیثیت، قول و فعل کی یکسانی تعلیم میں ناقابلِ عمل مثالیت کی جگہ معتدل عملیت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زندگی اس میں کامیابی کے لحاظ سے ایک بے نظیر چیز ہے۔

سیاسی حیثیت لیجیے تو آپ نے دس سال کے قلیل عرصے میں جزیرہ نمائے عرب کے مزاج (لاملکیتی) میں جہاں زیادہ خودسر۔ خانہ بدوش قبائل ہیں۔ خانہ جنگیاں ہی رہا کرتی تھیں، ایک بڑی مستحکم اور بڑی مملکت قائم کر دی۔ بہ حیثیت سپہ سالار کے آپ کی لڑائیوں میں فریقین کے بمشکل چند سو آدمی مارے گئے۔ لیکن دس سال کے عرصے میں تقریباً بارہ لاکھ مربع میل کا رقبہ مطیع اور ماتحت ہو گیا۔ اور عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسی حکومت قائم ہوئی جو پورے جزیرہ نما کو حلقۂ بگوش بنا سکی اور یہ آنحضرت صلعم ہی کی تعلیم اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ عرب جیسی گمنام اور جاہل قوم نے بین الممالک تعلقات میں پہلا قدم رکھا تو کیمبرج کے ایک عیسائی مورخ کے الفاظ میں "ان سے زیادہ مہذب وحشی" کبھی نہیں نکلے تھے۔ اور فتوحات کی وسعت اور گہرائی کا ریکارڈ جو انھوں نے قائم کیا ہے وہ اب تک کسی قوم سے توڑا نہیں جا سکا ہے، چنانچہ

دس ہی سال میں اُنھوں نے عراق - ایران - فلسطین - شام - مصر طرابلس - ترمذ - ترکستان اور آرمینیا کو زیر کر لیا - یہ سب علاقے تقریب قریب آج بھی ٹھوس اسلامی علاقے ہیں - اور ان میں سے اکثر کی زبان تک عربی ہو گئی ہے -

(۳) انتظامی حیثیت سے لیجئے جس ملک میں کبھی کوئی حکومت ہی قائم نہیں ہوئی تھی اس میں پیدا ہونے اور پرورش پانے کے باوجود آنحضرت صلعم نے جو دستور مملکت مرتب اور جو نظام حکمرانی قائم فرمایا اس پر عمل دُنیا کی ایک عظیم الشان مملکت کے لئے نہ صرف ہر طرح کار آمد و کافی ثابت ہوا بلکہ جب تک اس پر عمل رہا وہ دُنیا کی مہذب ترین حکومت بنی رہی - گاندھی جی جیسے کٹر ہندو بھی اسے انسانیت کا دَورِ زرّین سمجھتے اور کانگریسی حکومتوں کو مشورہ دیتے رہے کہ - اس کو اپنے لئے نمونہ بنائیں ؟

(۴) عمرانی حیثیت سے تقسیم و گردش دولت کا اصول رسولِ اکرم صلعم کی مالی حکم میں نظر آتا ہے - تقسیم ترکہ - تنظیم وصیت - مخالفت سود - انداز دولت اور جائداد پر محصول (زکوٰۃ) وغیرہ کی طرف اشارہ کافی ہے جن کا اصول یہ تھا کہ - دولت صرف مالداروں میں نہ گھومتی رہے - مال والوں سے لئے ہوئے محصول سے حکومت اپنے ملک کے جملہ محتاجوں کو روٹی مہیا کرنا اپنا اولین فریضہ سمجھے اور اشتراکیت و سرمایہ داری کے

تصادم کو (جو آج بے دین دنیا میں رونما ہے) پیش بینی کر کے شروع ہی میں حل کر دیا اور روک دیا۔

(۴) عورتوں۔ مزدور۔ اور غلام حیثیت سے متعلق بھی پیغمبر اسلام کی تعلیم معتدل اور اسی لیے مفید و قابلِ عمل ہونے میں بے مثل ہے۔

(۵) سماجی اور اخلاقی حیثیت سے آپؐ نہ صرف ایک اچھے معلم اخلاق تھے بلکہ نادر بات یہ تھی کہ آپؐ اپنی تعلیم کی سب سے پہلے خود تعمیل کر کے اور دوسروں کو جتنا حکم دیتے اس سے زیادہ خود عمل کر کے اوروں کے سامنے زندہ نمونہ پیش فرماتے تھے۔ ایک باپ، ایک شوہر۔ ایک دوست، اور حاکم، ایک تاجر، ایک انسان کی حیثیت سے آپ کا کردار اتنا بے داغ ہے کہ دشمن بھی اس کو سراہے بغیر چارہ نہیں دیکھتے۔ علاوہ اور اساسی اصلاحات کے، بت پرستی، شراب اور جوئے سٹے کی ممانعت مسلمانوں کی ایسی خصوصیت ہے کہ باقی دنیا بھی اب خواہی نخواہی اس کو ماننے پر مجبور سی ہو چلی ہے۔"

ف: دنیا میں بہت سے معلّم، ہادی، پیغمبر آئے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کسی کو اپنی زندگی میں اتنی کامیابی نہیں ہوئی جو نبی عربیؐ کو ہوئی۔ سنہ ۱۰ھ میں جب آپ حج کو تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ مسلمان تھے جو ملک کے ہر حصہ سے آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے دنیا میں جو دین پیش فرمایا اس نے اپنے لیے خود بخود جگہ پیدا کر لی، حبشہ میں کبھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی۔ مگر

چین کے کروڑوں مسلمان اور ہندوستان کے روز افزوں نومسلم اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ اسلام کی اندرونی کشش کتنی ہے، وہ آپؐ ہی تھے کہ تعصبات سے بھری دنیا میں برملا فرما گئے کہ نسل، رنگ یا زبان سے کسی انسان کو دوسرے پر کوئی فوقیت بالکل نہیں! حقیقی فضیلت نکوکاری اور خداترسی ہے اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقَاکُمۡ (خدا کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز و مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو)۔

آپؐ نے اسلام کے اصول پر جس زور سے عمل کرایا اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام پست قومیں اسی کو اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتی رہی ہیں۔ اسلام سے زیادہ مساوات کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتی۔ اور مثلاً رنگ و زبان کے متعلق فطرت کی تنوع پسندی کو بے اثر بنانے میں اسلام سے زیادہ کسی مذہب و مسلک کو کامیابی نہیں ہوئی۔

انسانی آبادی کے ہر گروہ کی اپنی الگ تاریخ، الگ تعصبات، الگ روایات ہیں اور انسان کو اپنے محسنوں یا بزرگوں کے احترام سے روکنا نہ تو آسان ہے اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ! آسان اور مفید طریقہ یہی ہے کہ پرانے روایات اور تعصبات و تخیلات کو چھیڑے بغیر (اگرچہ اس کو ایک نیا پس منظر، ایک نئے رخ میں رواں دواں کرکے) کچھ نئی چیزوں کے احترام اور اوروں سے زیادہ احترام کی تعلیم دی جائے۔ اس کے بغیر مرکز گریز اولاد آدم و حوا کو دوبارہ ایک مرکز پر آنے کے لیے آمادہ کرنا ممکن نہیں۔

یہودیوں کو اپنے ہم عصروں میں واحد موحد قوم ہونے وغیرہ کی بنا پر ناز تھا اگرچہ باقی دنیا میں وہ ملعون تھے ۔ اسلام نے برملا اعتراف کیا

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۔ (خدا نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی)

عیسائیوں کو اپنے بانی مذہب کی بعض خصوصیتوں پر ناز تھا، جس سے باقی ساری دنیا کو انکار تھا۔ قرآن نے اس کو بھی قبول کیا کہ عیسٰی ابن مریم۔ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ اَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ (وہ اللہ کے رسول کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے) لیکن ان دونوں قوموں کو بتایا کہ محض پدرم سلطان بود۔ کافی نہیں، عمل کے متعلق خدا کا حساب وکتاب فرداً فرداً ہر ایک انسان سے ہوگا۔ جس خدا نے موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو کچھ خصوصیتوں سے نوازا اسی خدا نے ان سابقہ انبیاء کرام کی تعلیمات کے صحیفوں کے حوادث زمانہ کا شکار ہو کر تلف ہو جانے کی وجہ اپنی وفور نوازش سے انسانوں پر ان تعلیموں کی پھر سے تلقین و تجدید کرنے کے لیئے ایک اور نبی بھیجا۔ اور جب تک اس نبی کی تعلیم محفوظ و موجود ہے مزید کسی نبی کی ظاہر ہے کہ کوئی ضرورت نہیں ۔

انبیاء بنی اسرائیل ہی نہیں، ان سے قبل اور ان کے بعد کے بھی

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ کہہ کر دنیا کی ہر قوم کا دل موہ لیا، آدم سے لیکر عیسٰی تک آنے والے رسولوں میں سے ایک دو درجن کا نام بھی لیا اور یہ بھی فرمایا

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ بعض رسولوں کو ہم نے آپ پر بیان کیا ہے وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (۴/۱۶۴) اور بعض کو نہیں بیان کیا۔

اور کسی کے لیے رنجش کی وجہ نہ رہی، اس حیثیت سے بھی آپ رحمۃ للعالمین ثابت ہوئے
مذہب سابق میں ایک گورکھ دھندا بن کر عبادت گاہوں کے افسروں پجاریوں
کی اجارہ داری بن گیا تھا پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ نہیں الدین یسر، وہ ہر ایک فرد انسانی
کا معاملہ ہے، اور ایک بنیادی مذہب، ایک خلاصہ اور نچوڑ پیش کیا کہ انسان جہد یا
کم از کم سن رشد سے لحد تک اپنے آپ اس کا ذمہ دار ہے اور وہ مذہب اٰمَنَ بِاللّٰہِ
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً (اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کرتا ہے)
اور لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَہَا (ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق ہی ذمہ داری ہے)
یہ سب ایک اس طرح سے دنیوی پہلو تھا۔ اسلام کی خصوصیت یہ رہی ہے
کہ وہ دنیا و دین دونوں کی بہ یک وقت بھلائی چاہتا ہے۔ روحانی ترقی اور تزکیۂ نفس
کے لئے توحید سے بڑھ کر کوئی وسیلہ تصور میں نہیں آتا۔ اگر کوئی شخص خدا کو ایک مان لے
اور خیر و شر میں اس کے سوا کسی اور کی قدرت نہ سمجھے، اور حشر و نشر و حساب کو مان
لے، تو پھر اس دنیا میں گناہ کا سرزد ہونا محال نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ ہر شخص
کے ایمان کی پختگی اس کے اعمال میں ہویدا رہتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ،
اور جہاد فی سبیل اللہ، ایسے احکام ہیں جن سے انسان فرشتوں سے بھی سبقت لے
جاتا ہے، جس میں عدول حکمی کی صلاحیت ہی نہ ہو (مثلاً فرشتہ) اور وہ کسی کل
کی طرح بے اختیار حرکت کرتا چلا جائے، تو نہ وہ ثواب کا مستحق اور نہ عذاب کا مستوجب
جس میں خیر و شر کی بیک وقت قدرت ہو۔ اور وہ اپنی قوت ارادی و اختیار سے

کام لے کر صرف خیر پر عمل کرے تو یقیناً اشرف المخلوقات کہلانے کا اسی کو حق ہو سکتا ہے ۔

یہی چیزیں نتیجہ ہیں سیرت پاک کے مطالعے کا، اور یہی چیزیں ہیں جو سیرت پاک کے مطالعے کی دعوت دیتی ہیں ۔

بہرحال اسلام کا دعویٰ تھا کہ وہ "بنیادی مذہب" ہے۔ آدم ع سے عیسیٰ تک سب اسی کے پرچار اور تبلیغ کے لیے آئے تھے۔ وہ ازلی صداقتوں پر مشتمل ہے جن کے ماننے بغیر کسی معقولیت پسند کو چارہ نہیں، اور بنیادی واجبات کے سوا باقی ہر چیز میں انسانوں کو کافی وسیع اباحت و صوابدید حاصل ہے کہ جو چاہے کرے ۔

مذاہب کے مابہ الاشتراک امور اور بنیادی صداقتیں جو انسانی حقوق، واجبات کے متعلق تھیں، بیان کر کے اسلام نے ساتھ ہی مذہب کو ایک نہایت سہل و آسان چیز (الدین یسر) بھی بنا دیا، اور انسان اور خدا کے مابین راست رشتہ جوڑ دیا ۔

دوسرے الفاظ میں تمام مذاہب کے پیرؤوں میں باہمی احترام و رواداری کا جذبہ پیدا کرنا۔ اور فروع کو چھوڑ کر معقول اصول پر سب کو ایک ہو جانے کی دعوت دینا ہی اسلامی پیغام تھا اور اسی "بنیادی مذہب" کے ذریعے سے بیک وقت استفادہ ممکن تھا، اور خیر و شر کے آمیزے سے (یعنی انسان) کو اعتدال پر

رکھنے اور شیطان اور فرشتہ ہر دو سے الگ بلکہ دونوں سے بہتر خدائی تخلیق کا ایک کامل ترین نمونہ بنانے کا طریقہ بتا دیا گیا۔

اس ہادیِ اعظم کی یہ تعلیم شاید آج بھی مصیبتوں سے بھری دنیا کے لیے سنجیدہ غور و فکر اور انسانیت سوز برادر کشیوں کے انسداد کا سامان مہیا کرتی ہے۔

یہ ایک بے معنی چیز ہوگی کہ نبی کے بتائے ہوئے راستے پر تو چلیں لیکن خود نبی کو نہ مانیں۔ یوں بھی راستے میں بھٹکیں اور ہادیِ اعظم موجود نہ ہو تو کعبے کی جگہ ترکستان پہنچ جائیں گے اور اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو۔

بعثت کے وقت چند عالمگیر گتھیوں کا اسلامی حل!

فطرتِ انسانی کے بدلنے کا سوال نہ تھا، بلکہ غارِ آن کی چوٹیوں سے اصلاح کی جو دعوت شروع ہوئی تھی اس کا مقصد انسانی عادتوں کی دھاتوں کو خاص سانچوں میں دبا کر اچھی شکلوں میں تبدیل کرنا تھا اور ان کے اظہار کے لیے راستوں کا مقرر کرنا تھا۔

مصلح دراصل یہی ہدایت کرتا ہے کہ انسان اپنی کس خصلت یا قوت کو کس راہ پر لگائے اور اس کا کس حد تک مظاہرہ کرے۔ عہدِ نبوی کے آغاز پر جو دنیا کی حالت تھی اس کا بیان مشہور و معروف ہے۔

آغازِ اسلام کے وقت مذہبی تعصب اس حد تک پہنچ گیا تھا، کہ ہر

مذہب اپنے سوا تمام مذاہب کو جھوٹے، اور نجات کے لیے قطعاً ناموافق سمجھتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ستم ظریفی یہ بھی کہ اپنے مذہب کے اندر کسی اجنبی کو آنے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مذہب کو نسل اور پیدائش سے محدود کر دینے کی خودغرض اور ہٹ دھرمی یہودیوں میں بھی تھی اور ہندوستان میں بھی۔ بلکہ انجیل متی کی روایات پر اعتماد کیا جائے تو خود حضرت عیسٰی علیہ السلام فرما چکے تھے کہ "میں صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے آیا ہوں، مجھے باقی دنیا سے تعلق نہیں۔ اور اپنے حواریوں یعنی فرستادوں اور مذہبی مبلغوں کو بھی حکم دیا تھا کہ "وہ تبلیغ عیسائیت صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں میں کریں"

اس سب پر مستزاد یہ تصوّر تھا کہ عمل کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہمارے ہم مذہبوں میں داخل رہنا ہی اتنا بڑا عمل ہے کہ وہ نجات ابدی کے لیے کافی ہے۔

قرآن کریم نے اگر عمل پر زور نہیں دیا ہے تو پھر کسی چیز پر بھی زور نہیں دیا ہے۔ (اٰمنوا - ایمان لائے) کے ساتھ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (نیک کام کیے) جتنی مرتبہ قرآن میں ملا کر دہرایا گیا ہے کوئی اور حکم نہیں دہرایا گیا ہے۔

نسلی اور پیدائشی مذہبوں کے متعلق یہ لرزہ خیز حکم دیا گیا کہ جب لوگ خدا کے پاس حاضر ہوں گے تو فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ (قرآن) یعنی اس

دن نہ ان کے نسب کا لحاظ ہوگا، اور نہ وہ ایک دوسرے سے کچھ جواب طلبی کر سکیں گے
ہر شخص اپنے اعمال کا انفرادی طور سے ذمہ دار ہوگا۔ یہ نہیں کہ ہمارے گناہوں کا
کوئی اور ناکردہ گناہ ہی بھینٹ چڑھ جائے۔ نعوذ باللہ۔ خدا کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔
اور ہم زندگی بھر عمداً بدمعاشیاں کرتے رہنے کے باوجود رستگاری اور رہائی پا جائیں۔

حرفِ آخر

عالمی مشکلات کے حل کا خلاصہ! مشکلات کا حل صرف دو باتوں کے اختیار کرنے
میں مضمر ہے۔ وحدتِ ادیان اور وحدتِ انسانیت، اور یہ دونوں باہم لازم
ملزوم ہیں جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔ عقل مند انسان اس بات کو بخوبی جانتا
ہے کہ انسانوں میں جنگ و نزاع کا باعث ادیان کی تفریق اور انسانیت کی تقسیم بھی
بنتی رہی ہے۔ چنانچہ تاریخ اور واقعاتِ عالم اس پر عینی گواہ ہیں۔

مگر پھر جب اس تفریق و تقسیم کے حدود و وجوہ مٹنے شروع ہوئے اور باہم
انسانوں اور قوموں کا میل ملاپ پیدا ہونے لگا تو پھر سارے انسانوں کو وحدتِ
دین اور وحدتِ انسانیت کی طرف رجوع ہونے کی دعوت دی گئی اور بتلایا گیا کہ
تمہاری پہلی تقسیم و تفریق عارضی اور ایک ضرورت کی وجہ سے تھی، حقیقی نہیں
تھی۔ اصل میں تم سب ایک ہو اور تمہارا دین بھی ایک ہی ہے۔ اس لئے
اب تمہیں اپنے اصل واحد کی طرف رجوع کر آنا چاہیے۔ یہ آج سے تقریباً
پندرہ سو سال پہلے زمانہ کی بات ہے، جس کی صداقت تاریخ کے اوراق ا

واقعات عالم میں روز روشن کی طرح موجود ہے، اور یہ اسلام کے ظہور کا زمانہ ہے۔

اسلام کا نظامِ زندگی

اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسانیت کا نظامِ زندگی خدا پرستانہ نقطۂ نظر پر قائم ہو اور وہ زندگی کے تمام شعبوں کو خدا پرستی کی بنیاد پر چلتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک انسانیت کی حقیقی بھلائی اسی میں ہے۔ یہ اسلام کا ایسا پیش کردہ نظریہ ہے جس پر دنیا کی اکثر قومیں جو تعداد میں بھی کثیر ہیں اکٹھی ہو سکتی ہیں اور منکرین مذہب کے لیے بھی انسانیت کی بھلائی کے لیے اسلامی نظریہ سے بہتر یا اس جیسا نظریہ نہیں مل سکتا۔ ان لوگوں کو اس بات کی بھی اجازت ہے کہ وہ بیشک اسلام کو عقیدہ اور مذہب کے اعتبار سے تسلیم نہ کریں۔ (اسلام کی طرف سے مطالبہ تو یہ ہے مگر جبر نہیں ہے) لیکن صرف نظریہ کی حیثیت سے تو انسانیت کی بہبودی کے لیے تسلیم کر لینا چاہیئے۔

(اسلام علمی اور عقلی مذہب ہے اس کے قبول کرنے اور نہ کرنے میں انسان کو اختیار رہے۔ یہی تو اس کے حق ہونے اور صادق ہونے کی دلیل ہے، جیسا کہ تفصیلاً پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

مقصدِ زندگی

اسلام یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ دنیا انسان کے لیے صرف ذریعہ زندگی ہے

مقصدِ زندگی نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصدِ اعلیٰ وہ زندگی ہے جو اس جہان کے بعد دوسرے جہان میں حاصل ہوگی۔ دنیا کی زندگی صرف عبوری زندگی ہے اور اس کے بعد کی زندگی مستقل اور دائمی زندگی ہے۔ اس بات کو بھی اسلام علم و عقل سے منوانا ہے۔ تقلید پر مجبور نہیں کرتا ؛

اقوامِ متحدہ سے خصوصی خطاب!

اگرچہ اقوامِ متحدہ کا پہلے بھی کئی مرتبہ ذکر آیا ہے، مگر فی زمانہ عالمی مشکلات کا حل بوجوہات مذکورہ و آئندہ بظاہر اسی ادارہ کی سعی اور اختیار پر موقوف ہے کیونکہ اس ادارے کا قیام مسلسل متعاقب الوقوع واقعات کا نتیجہ ہیں۔
اس لیے ضروری خیال کیا گیا کہ پھر بحرفِ آخر مکرّر اس عظیم الشان ادارہ کے جملہ معزّزین ارکان کو آئندہ حالات متوقّعہ سے باخبر کیا جائے۔ اور موجودہ غیر مفید نظامات کی تبدیلی کی استدعا کی جائے ؛

محترمان ادارہ! یہ سب مشکلات

(۱) موجودہ غلط سیاست کی پیدا کردہ ہیں

(۲) اور مذہب اور صحیح سیاست کو باہم مخالف قرار دینے کا نتیجہ ہیں

ایک بہت بڑی اور فاش غلطی!

بہت سے عقلمند ـــــ اور تعلیم یافتہ بھی یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ سیاست

اور مذہب دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ یعنی یہ کبھی متحد اور متفق نہیں ہو سکتیں۔ اگر یہ بات موجودہ سیاست کے متعلق کہی جا رہی ہے تو یہ بجا اور درست ہے۔ لیکن اگر مطلق سیاست کے متعلق کہتے ہیں تو یہ ایک بڑی اور فاش غلطی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ سیاست کی بنا بے ایمانی، فریب کاری اور منافقت پر قائم ہے۔ بیشک یہ سیاست مذہب کے ساتھ کوئی میل ملاپ نہیں رکھ سکتی، بلکہ سراسر مذہب کی ضد ہے۔ البتہ وہ سیاست جو واقعی سیاست ہے جس کی بنا عدل و راستی پر ہوتی ہے وہ قطعاً مذہب کے خلاف نہیں بلکہ عین مذہب ہے — یہ باتیں سن کر تعجب اور حیرانی ہوتی کہ اچھے اچھے سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگ بھی مذہب و سیاست میں تفریق کے قائل ہیں اور بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔

پہلے —— ضروری ہے کہ لفظ "سیاست" کے معنی، مفہوم اور اس کے مطلب اور مقصد میں غور و فکر کیا جائے۔

"سیاست کا معنی و مفہوم مروجہ زبان میں پالیٹکس، ملکی تدبیر اور انتظام پر بولا جاتا ہے۔" "سیاست مدنیہ" شہری انتظام، عدل و استقامت کے ساتھ اس طرح پر انتظام کرنا کہ سب کی معاشی حالت اچھی ہو" (مصباح اللغات ص ۳۸۲)

پس سیاست کا حاصل عدل اور استقامت کے ساتھ انتظام کرنے کا ہے

یعنی سیاست وہ انتظام ہے جس میں عدل ہو، ظلم اور بے انصافی نہ ہو۔ استقامت ہو، ٹیڑھاپن، کجروی اور فریب کاری نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ سیاست کے تمام محکموں اور شعبوں میں عدل اور استقامت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اگر عدل اور استقامت ان میں نہ ہوگا تو اس کو سیاست ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

بہرحال اگر سیاست اسی کو کہتے ہیں جس کی اوپر تعریف اور تشریح کی گئی ہے تو یقیناً ایسی سیاست کا ایک گوشہ اور شوشہ بھی مذہب کے خلاف اور اس کی ضد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مذہب انسان پر زندگی کے ہر کام اور ہر ایک شعبہ اور شوشہ میں عدل و استقامت کو لازم قرار دیتا ہے اور اس کی رہنمائی بھی کرتا چلا آرہا ہے۔ پس مذہب اور سیاست باہم حلیف ہیں، حریف نہیں ہیں۔ باہم موافق ہیں، مخالف اور ضدیں نہیں ہیں ——— ہاں البتہ اگر سیاست سے مراد وہ شے ہے جس کو آج کی حکومتیں سیاست سے تعبیر کرتی ہیں۔ تو بیشک اس سیاست کا مذہب کے ساتھ رشتہ اور تعلق نہیں ہو سکتا۔ مگر ایسی سیاست کو سیاست کہنا بالکل غلط ہے۔ اس کو شیطنت کہنا زیادہ موزون اور مناسب ہے یہ ایسا ہی ہے کہ زہر کو تریاق کہا جائے یا شیطان کو فرشتہ کہہ کر پکارا جائے ؎

برعکس نہند نام زنگی کافور !

ویسے تو عرصہ سے دنیا میں بے عقل و بے وقوف چلے آرہے ہیں، مگر اہو

نئی روشنی اور نئی تہذیب و تمدن نے جیسے بعض عقلمند احمق پیدا کئے ہیں شاید ہی پہلے زمانوں میں پائے گئے ہوں گے۔

اس مادہ پرستی دور میں روحانیت کی قدر تو کیا ہوتی تھی، بڑے لوگوں کی عقلیں بھی ماری گئیں۔

قرونِ وسطیٰ میں ہی اگر مذہب و سیاست کے متعلق پوری تحقیق کر لی گئی ہوتی اور مذہب کی حقیقت و ماہیت کو منقح کر لیا ہوتا اور غیر جانبدارانہ نظریہ سے ہر ایک مذہب کے متعلق علمی اور عقلی اور تحقیقی معیار سے بحث و مطالعہ کیا جاتا تو اس وقت بھی ایسا مذہب موجود تھا (اور اب بھی موجود ہے) جو مذہب و سیاست میں تفریق کو گوارا نہیں کرتا۔ کیونکہ اس مذہب کا مقصد انسانیت کی ترقی اور آزادی ہے۔ انسانیت کا جمود اور غلامی نہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ اب تک بدستور انھیں خیالات میں پڑے ہوئے ہیں اور مصر ہیں۔

واجب الاحترام — اراکین! دنیا میں اصولوں اور سچائیوں کی کمی نہیں، اگر کمی ہے تو صرف عمل و کردار کی ہے۔ اگر عمل اصولوں کے خلاف ہے تو غیب سے کوئی ایسا ہاتھ ظاہر نہیں ہوگا جو دو عملی اور منافقت کی گردن مروڑ ڈالے اور اصولوں کی ایک نئی دنیا آباد کر دے۔ اصول عمل کے لیے ہوتے ہیں، اگر ان

پرعمل نہیں ہوتا تو اصولوں پر فخر کرنا بیکار ہوگا۔
محترم اراکین ! آپ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں، جس مقصد کے لیے یہ ادارہ قائم کیا گیا ہے اس کے حاصل کرنے کے لیئے پورے عزم اور جزم اور جدوجہد کے واسطے عملی قدم اٹھائیں۔ یعنی اپنے موجودہ خیالات و تصورات اور خود ساختہ سابقہ نظریوں اور فکروں کو بدلیں، اصول و قوانین کو بدلیں۔ اپنے آپ کو بدلیں ——— حضرات آپ دنیا کو کیا فتح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ پہلے اپنے پر دسترس حاصل کریں، مقابل کی طاقتوں کو شکست دینے سے پہلے خود اپنے کو فتح کریں کیونکہ خارج کی تسخیر، تسخیرِ نفس ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے یا یوں کہیے کہ تسخیرِ انفس و آفاق لازم و ملزوم ہیں۔ وہی انسان اپنے ارادہ خارج پر مؤثر کر سکتا ہے، جو پہلے اپنے نفس پر اسے غالب و مؤثر کر چکا ہو۔ جماعت کائناتِ خارجی اور اس کی قوتوں پر فتح حاصل کرنا چاہتی ہے، اسے ضبط و اطاعت اور آئین شناسی کی درسگاہ میں خود اپنے نفس کو مسخر کرنا پڑتا ہے ؎ ہر کہ تسخیر مہ و پرویں کند

خویش را زنجیری آئیں کند

دوسری جگہ اس نکتہ کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

؎ ہر کہ بر خود نیست فرمانش رواں

مے شود فرما پذیر دیگراں

الغرض شخصیت کی تکمیل کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ انسان خود اپنے ارادہ پر حکمران ہو اور خارج پر بھی اسے غالب کر سکے۔" (ماخوذ)

انسانوں کے مشکلات میں گھِر جانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھوں نے کائنات کو سمجھنا پہلے چاہا، پہلے اپنے آپ کو شناخت کرنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر انسان ایسا کرتا تو اپنے لیے خود مشکلات پیدا نہ کرتا۔

اراکین محترم المقام! اس وقت آپ کی پشت پر کوئی ایسی طاقت نہیں جو آپ کے افکار کو جلسہ گاہ کے باہر تو کجا، خود تمام اہلِ جلسہ کے دلوں میں بھی بٹھا دے۔

یہاں ایک اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اتنی زبردست طاقت جو بات کو دل میں بٹھا دے اس کو کہاں اور کیسے تلاش کریں، جواب یہ ہے کہ وہ ہم اور آپ سب سے زیادہ قریب ہے کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے موجود ہونے کو نہ صرف تسلیم کیا جائے بلکہ اس پر پورا یقین ہونا ضروری ہے۔ اس ایک یقین کے بعد آپ بہت سی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جائیں گے یعنی بات آپ کہیں گے اور دل میں بٹھانے کا کام وہ اپنے ذمہ لے گی۔ اگر آپ کا یقین کامل ہوگا تو پھر آپ اپنی آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھیں گے کہ نہ ماننے والوں کو کیا سزا ملتی ہے۔ (ماخوذ)

سید ظہور علی صاحب ۱۲

مشیّتِ الٰہی کا ظہور!

چونکہ آپ میں سے اکثر حضرات خدا کی ہستی پر یقین رکھتے ہیں، اس لیے مناسب ہے کہ آپ کی توجہ ایک تکوینی اور تخلیقی مسئلہ کی طرف منعطف کرائی جائے وہ ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ — یعنی

ہر لحظہ جمالِ خود نوع دگر آرائی — شورِ دگر انگیزی و شوقِ دگر افزائی

اللہ تعالےٰ کے شئون کا اظہار زمانے کے تاریخی تقاضوں میں ہوتا ہے۔

زمانے کا تقاضا خدا کی مشیت کے تابع ہوتا ہے اور زندگی کے حالات واسباب جس نظام کے متقاضی ہوتے ہیں۔ خدا کی مصلحت اس نظام کو دنیا میں نافذ کرنا چاہتی ہے اور یہی اس کی مرضی ہوتی ہے — لیکن خدا کی یہ مرضی ہمیشہ اس کے بندوں کے ذریعہ ہی دنیا میں عملی جامہ پہنتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا ہاتھ بندوں کے ہاتھ کے اندر کام کرتا ہے۔ قومیں اور حکومتیں اس وقت سے پہلے جو صرف اپنے لیے سوچا کرتی تھیں۔ اب ساری دنیا اور انسانیت کے لیے سوچ رہی ہیں۔ معلوم ہو رہا ہے کہ اب مشیتِ الٰہی دنیا کو ایک نظام کے تحت مجتمع کرنا چاہتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب ہم یہ تسلیم کر لیں کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے اور اس نے اسے ایک مقصد کے لیے پیدا کیا ہے، تو پھر ہمیں اپنے آپ کسی خاص سلوک کا مستحق سمجھنے کی بجائے حق تعالیٰ کے ارادے اور مقصد

مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ صرف اسی صورت میں ہم کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ اسلام بھی یہی کہتا ہے ؂

اسلام دورِ حاضرہ کو جو اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کے درپے ہے۔ ایک مکمل سیاسی اور معاشرتی نظام پیش کرتا ہے ـــ اسلامی نظام کو باقی نظاموں پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ ماضی میں اس پر کامیابی سے عمل کیا جا چکا ہے جو اس کے مکمل ہونے کا ثبوت ہے ـــ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ ہر قوم کو بالآخر یہی نظام قبول کرنا پڑے گا۔ خواہ وہ زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ اس نظام کے قوانین فطری (یا خدائی) قوانین ہیں اور انسانی ترقی ان قوانین کی پابند ہے ـ وحی کے بغیر بھی انسان کا قدم بقدم بعد از ہزار مشکل ہر دوسرا راستہ اختیار کر کے ناکام ہو چکنے کے بعد بالآخر ان قوانین تک پہنچنا ضروری ہے ـ اسلامی نظام امن اور پائداری کی طرف لے جاتا ہے اس کے مقابلہ میں آج کل کے نظاموں میں سوائے طبقاتی اور بین الاقوامی جنگوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پائیداری تو اس زمانے سے گویا رخصت ہو چکی ہے ـــ غالباً اس سے بڑی غلطی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اسلامی نظام کی خوبیوں اور خامیوں پر غور کرنے سے محض اس لئے انکار کر دیا جائے کہ یہ نظام وحیِ الٰہی پر مبنی ہونے کا دعویدار ہے اور اسے ایک پیغمبرِ خدا ہم تک لائے ـ ایسے ہم دہریہ پن کے تعصب کے سوا اور

کسی چیز سے تعبیر نہیں کر سکتے ۔

خلاصۂ مقصود یہ ہے کہ ارا کینِ ادارۂ متحدہ نے جن اصول و قواعد اور حقوقِ انسانی کے رواج دینے کا ارادہ کیا ہے، اور ان کو اپنانا چاہا ہے یہ انہی باتوں میں سے بعض ہیں جن کا اعلان چودہ سو برس سے مذہب اسلام کرتا چلا آرہا ہے۔ جن تک غیر اسلامی دنیا صدیوں بعد چل کر پہنچ سکی ہے۔ لیکن غیر مسلم اقوام نے ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دی اور ان کو قابلِ اعتنا قرار نہیں دیا تھا۔ یہ قوانین چونکہ انفرادی کوششوں سے معلوم نہیں کیئے جا سکتے تھے اور نہ قومی اور وطنی وطبقاتی ذہنیت رکھنے والے دل و دماغ ان عالم گیر قوانین تک پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے ان سب باتوں کو بذریعہ وحی ایک عالمی پیغمبر کے واسطہ سے پیش کر دیا گیا۔ اور چونکہ اسلام سے پہلے مذاہب وقتی اور محدود تھے، اس لئے ان میں ایسے عالمگیر اصول و قوانین کی تعلیم دینا قبل از وقت و زمانہ تھا۔ کیونکہ کسی چیز کا دیا جانا وقت و ضرورت پر ہی موزوں اور پسندیدہ ہوتا ہے ۔

خالقِ کائنات کا ارشاد ہے کہ ہم نے کوئی چیز بھی عبث و بیکار پیدا نہیں کی۔ اہل نظر و صاحب ایمان کا فرض ہے کہ اپنے فکر و عمل کو کام میں لائیں، ان سے استفادہ کریں، اور خلاقِ ارض و سما کے شکر گزار ہوں ۔

قرآن شریف میں ہے :

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

یعنی ہم ان کو بہت جلد اپنے نشانات قدرت دکھلائیں گے مظاہر عالم کے اندر بھی اور خود ان کے نفوس میں بھی جس سے ان لوگوں پر یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ اسلام تو ضرور سچا ہے۔

حقیقتیں اور اصلیتیں اپنی جگہ سے نہیں بدلا کرتیں، مفروضہ نظریئے اور بناوٹی باتوں کے پردے تنقیدات سے چاک ہو جاتے ہیں۔

آفاقی آیتوں کے متعلق اللہ جل و علیٰ نے اجمالی حکم دے کر ان کی تفصیل و تشریح اور استفادہ و انتفاع کا کام خود ہمارے سپرد کر دیا ہے۔ جوں جوں ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں، عقل و ادراک اس وسیع خزانہ فطرت سے اپنی کفالت کا سامان مہیا کر لیتی ہے۔ جو حاجتیں آج ہیں ان کے تکمیل کے اسباب بھی ان ہی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ عصر حاضر کی ایجادات کا سراغ ایک ہزار سال پہلے تلاش کرنا اسرار فطرت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اسی طرح ہزار سال بعد جب انسانی ضروریات بہت کچھ بدل چکی ہوں گی اس وقت آج کے مہیا کردہ سامان کی کوئی قیمت نہیں رہے گی۔

اصطلاح تمدن میں جس کا نام ترقی ہے وہ تکمیل ضروریات کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ اپنی ضروریات و تکمیل ضروریات کے لحاظ سے ہر دور

ترقی کا دور ہے، دوسرے لفظوں میں ہر دور اپنے ماضی کی نسبت سے شاندار اور مستقبل کے اعتبار سے پست و تاریک ہوتا ہے۔ گویا ترقی حاجتوں کی فراوانی کا دوسرا نام ہے، ہونا بھی یہی چاہیے، کیونکہ انسان سراپا احتیاج ہے اور حاجتوں کے ظہور سے انسان کے ذاتی کمالات وابستہ ہیں۔

جو لوگ مذہب کی غرض صرف مادی ترقی قرار دیتے ہیں، وہ بڑی غلطی میں ہیں۔ روح و مادہ کے فرق کو نہیں سمجھتے اور دونوں کی حدود سے غافل ہیں۔ مادی ترقیات، روح و خدا کے انکار کے بعد بھی ہو سکتی ہیں اور ہوتی ہیں کیونکہ ان مسائل میں عقلِ انسانی خود مکتفی ہے۔ ضروریاتِ انسانی ان کے لیے محرک اور میدانِ عمل بہت وسیع ہے۔ مگر روح و مذہب کے معاملے میں انسانی دراز دستیاں ناکارہ، عقل ناکام اور میدانِ عمل نامعلوم۔ یہاں اقرار خدا اور معلّم مذہب کے اتباع سے مفر نہیں ۔ اسی لیے قرآن مجید مطالعہ فطرت پر زور دینے کے بعد بھی اس کی کوئی تفصیل نہیں بتاتا اور نہ کبھی کوئی معلّم مذہب یعنی پیغمبر و رسول (مخصوص) طبعیات و کیمیات کی تعلیم کے لیے مبعوث ہوئے۔ برخلاف فطرت کے اجمالی احکام دے کر عقائد و اعمال مذہب کی تفصیلات بیان کرنے کی ذمہ داریاں ان کے سپرد ہیں۔

واقعات و مشاہدات ہمیں بتاتے ہیں کہ مادیات کے حدود میں انسانی صلاحیتیں ناکامی سے کامیابی کی طرف یوماً فیوماً بڑھتی جا رہی ہیں۔ ایک غلطی

کی تصحیح دوسرا فرد کر دیتا ہے۔ عناصر کو شکست و ریخت اور جمع و ترکیب کی حد تک انسان بڑا قادر و توانا ہے، مگر روحانیت کے مسائل ہیں اس کی عقل کچھ ایسی کوتاہ دست و سست قدم ہے کہ دوسروں کی رہنمائی کے بغیر آگے بڑھتی نظر نہیں آتی۔ بڑے سے بڑا فلسفی و سائنسدان جب مادی ادراک کے منازل طے کر کے روحانیت کی سرحد پہ جا کھڑا ہوتا ہے، تو روح کی اہمیت، اور خدائے کائنات کے اقرار میں اس کی گردنیں جھک جاتی ہیں، مگر اللہ رے بے بسی! از خود انسان و خدا کے درمیان رشتے کا سراغ لگانے سے بالکل مجبور ہے۔

چوں خدا اندر نیاید در عیاں نائب حقند ایں پیغمبراں

(ماخوذ)

بہر حال قرآن پاک کے احکام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جملہ انسانیت کے لیے بمنزلہ فطری قوانین کے ہیں، اور ان کے خلاف ورزی کرنا نہ صرف اپنے آپ کو، بلکہ پوری انسانیت کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اسی لیے ضروری تھا کہ انھیں اپنے موزوں وقت پہ ایک پیغمبر کے ذریعہ سے انسانیت تک پہنچایا جاتا۔ ورنہ قوانین ایسے ہی فطری ہیں جیسے "فزکس" کے قوانین جو ہمارے ظاہری وجود پر حاوی ہیں، اور جن سے اختلاف کرنے کا خیال بھی کوئی شخص اپنے دل میں نہیں

لا سکتا ، جیسا پہلے بھی بیان ہوا۔ ؎

بہرحال اسلام اپنی حقیقت پسندی اور جامعیت کے اعتبار سے بے پناہ خیر کا حامل ہے اور دنیا اس تجربہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہے، بلکہ تاریخ عالم شاہد ہے کہ اب تک دنیا میں انسانیت کی بہتری کے لیے جتنے بھی تجربے ہوئے ہیں، ان سب میں یہی ایک تجربہ کامیاب ترین ثابت ہوا ہے۔

اور اسلام کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری کائنات میں انسان کو اعلیٰ اور اشرف مقام عطا فرمایا اور اس پر یہ راز کھولا کہ ساری کائنات انسان کے لیے ہے اور انسان خدا کے لیے ہے، اور آپ نے انسانوں کو مساوات کی نعمت عطا کی۔ اونچے نیچے کے فرق کو مٹایا۔ نسل اور ذات کی دیواروں کو گرایا، غلامی اور چاکری کے نقش کو مٹایا اور کردار کو فضیلت کا معیار قرار دیا۔

محسنِ اعظم سے دنیا کی روگردانی

ہمیں حیرت ہے کہ آج اس روشن زمانہ میں بھی لوگوں نے اپنے محسنِ اعظم کو نہیں پہچانا ۔ وہ انسانِ کامل جس نے " ربّ " کو " ربّ العالمین " کی حیثیت میں پیش کیا، اور یہ نہیں کہا " وہ ربّ المسلمین ہے " اور خود بھی " رحمۃ للمسلمین " بن کر نہیں بلکہ " رحمۃ للعالمین " بن کر آیا اور جس نے اپنی

ہدایت کو جغرافیائی اور قومی حدود میں بند نہیں کیا، بلکہ اسے وقف عام کر کے پوری انسانیت کو اس میں حصہ دار بنایا۔ وہ انسانیت کا نجات دہندہ تھا۔ اس نے انسان کے سر کو خدائے واحد کے آگے جھکایا۔ اس نے کہا انسان انسان کا غلام نہیں بن سکتا۔ اور خدا تعالیٰ کی نظر میں ایک بادشاہ کی بھی وہی حیثیت ہے جو ایک بوریا نشین اور غریب انسان کی ہے ۔

ہم اپنے غیر مسلم بھائیوں سے دریافت کریں گے کہ کیا اب وقت نہیں آیا کہ آپ اس مصلح اعظم کو پہچانیں جو خدا کو "رب العالمین" کہتا ہے اور انسانوں کو بھائی بھائی بنا کر، نسل اور قبیلوں کی دوئی کو مٹاتا ہے۔ اس محسن اعظم نے اپنی تمام زندگی انسانی خدمت کے لیئے وقف کر دی تھی۔ آپ کی تمام زندگی کا مقصد انسان کی خدمت کرنا تھا۔ آپ کے تشریف لانے سے قبل دنیا میں ملکی غیر ملکی فرق تھا۔ نسلی امتیاز، کالے، گورے، بڑے، چھوٹے۔ مالدار اور غریب کے فرق نمایاں تھے، اور ان پہ زبردست فخر کیا جاتا تھا۔ لیکن آپ نے تشریف لا کر ان سب امتیازات کو ختم کر دیا اور آپ نے تمام انسانوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ محسن اعظم کا یہ زبردست کارنامہ ہے ۔

بہر حال عالمی مشکلات کا حل ان تین چیزوں یعنی اسلام اور قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ اسکیم میں مضمر ہے ۔ اور یہ تینوں چیزیں ساری دنیا کی مشترک متاع ہے۔ لہٰذا ہم ساری دنیا اور خصوصاً

اقوام متحدہ کے سامنے واضح الفاظ کے ساتھ بصد عزت و احترام سے پیش کرتے ہیں اور گذارش کرتے ہیں کہ ــــ یہی وہ آبِ حیات ہے جس کی اس وقت تلاش ہے اور یہی وہ (امرت رس) ہے جو ساری دنیا کو امن و سلامتی کی زندگی عطا کر سکتا ہے۔ اور نیز اس جہان کے بعد دائمی زندگی جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا خوش حال زندگی بنا دینے کا ذمہ لیتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کر گیا ہے۔

(تفہیم)

اسلام کیا ہے ؟ ــــــــ
اختصار یہ ہے کہ :ــ

مسلمان کا اسلام

ایک مسلمان کا اپنے مذہب کے متعلق بڑا جامع اور وسیع تصور یہ ہے کہ وہ اُسے محض چند عقائد اور بندھے ٹکے مذہبی اعمال تک محدود نہیں سمجھتا۔ مولانا محمد علی جوہر کے الفاظ میں مذہب اسلام تفسیر حیات ہے اور زندگی کے لیے آخری اور بہترین نظام۔ اور ہماری اصلاح اس نظام کو اختیار کرنے سے ہو سکتی ہے، بلکہ نظامِ عالم اسوقت تک درست نہیں ہو پاتا جب تک بلا جبر و اکراہ نظامِ اسلام ساری دنیا میں قائم نہ کر دیا جائے گا۔

☆ مے تواند کہ دہد اشک مرا حسن قبول ۔ آنکہ دُر ساختہ است قطرۂ بارانی را

ابو احمد عبد اللہ لودھانوی مہتمم دار العلوم نعمانیہ گوجرانوالہ

سلسلہ تبلیغ و اشاعت نمبر ۱۵

۸۶ء

سَنُرِیْھِمْ آیٰتِنَا فِی الْآفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ

ترجمہ

"ہم ان کو بہت جلد اپنے نشانات قدرت دکھائیں گے مظاہر عالم کے اندر بھی اور خود ان کے نفسوں میں بھی جس سے ان لوگوں پر واضح ہو جائیگا کہ اسلام ضرور سچا ہے" (القرآن)

عالمی مشکلات کا یقینی حل

مرتبہ

ابو احمد عبداللہ لودھانوی مہتمم دار العلوم نعمانیہ

گوجرانوالہ مغربی پاکستان حفظہا اللہ تعالے من آفات الزمان

مطبوعہ: پنجاب پریس وطن بلڈنگ لاہور۔